امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد 6 محرم الحرام 1439ھ بمطابق نومبر 2017ء شمارہ 9

بأیِّ ذنب قُتلوا؟؟؟

جیمز میٹس پر خوفناک حملہ

امریکی میڈیا حقائق مسخ کرتا ہے!

امریکی پالیسیوں کے خلاف عوامی تحریکیں

امریکا، داعش اور کرزئی

کیا ٹرمپ کو پاگل کا کردار دیا گیا ہے؟

تین حملوں نے دشمن کی کمر توڑ دی

فرمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ الساعی علی الارملة والمسکین کالساعی فی سبیل اللہ واحسبہ قال کالقائم لایفتر وکالصائم لایفطر (رواہ البخاری ومسلم)

ترجمہ: سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کہ اللہ کا جو بندہ بے شوہر والی اور بے سہارا کسی عورت اور کسی مسکین حاجت مند آدمی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہو وہ اجر و ثواب میں اس مجاہد بندہ کی طرح ہے جو اللہ تعالیٰ کی راہ میں دوڑ دھوپ کرتا ہو۔ راوی کہتے ہیں: اور میرا خیال ہے کہ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ اس شب بیدار بندہ کی طرح ہے جو رات بھر نماز پڑھتا ہو اور تھکتا نہ ہو اور اس دائمی روزہ دار کی طرح ہے جو ہمیشہ روزہ رکھتا ہو کبھی بے روزہ رہتا ہی نہ ہو۔ (بخاری و مسلم)

فرمان امیر المومنین شیخ الحدیث ھبۃ اللہ اخندزادہ حفظہ اللہ

ہماری ملت پر امریکا نے ان تمام افراد کو مسلط کیا ہے، جو اپنے دین اور عوامی مفادات کے وفادار نہیں ہیں۔ وہ صرف امریکی مفادات کے نگہبان اور محافظ ہیں۔ ہم نے دیکھ لیا ہے کہ غیروں کی نوکری کرنے والوں نے امریکی حکم کی وجہ سے اس لیے بھی آمادگی ظاہر کی کہ افغانستان کو اپنے پڑوسیوں اور خطے کے خلاف حالت جنگ میں لا کھڑا کریں۔ اسے صرف امریکی مفادات کے لیے قربان کریں۔ اگر موجودہ حالت جاری رہی تو وہ اس کے لیے بھی کمربستہ ہیں کہ متحد ملت کے درمیان قومی، علاقائی اور لسانی تعصبات کو ابھار کر ایک بار پھر نوے کی دہائی کی طرح باہمی جنگوں کا آغاز کرکے تاریخی ملک کو کئی ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ کابل کے موجودہ حالات غیروں کی نوکری کرنے والوں کی بری کوششوں کی زندہ مثال ہیں۔

امارت اسلامیہ افغانستان کا واحد اردو ترجمان

ماہنامہ شریعت

جلد ۶/ محرم ۱۴۳۹ / نومبر ۲۰۱۷ / شمارہ ۹

مدیر اعلیٰ: ولید افغان

نائب مدیر: شمس ابدالی

مجلس مشاورت

ملا اسد افغان — ہارون بلخی

اکرم تاشفین — محمد فرہاد جانباز

سیف العادل احرار

ڈیزائنگ: مولوی محمد فاروق

قیمت فی شمارہ 30 روپے

سالانہ 350 روپے

سالانہ زرتعاون

امریکا، آسٹریلیا، افریقا، یورپی ممالک: 40ڈالر

سعودی عرب، متحدہ عرب امارت: 30ڈالر

بنگلہ دیش: 28ڈالر

بسم اللہ الرحمن الرحیم

'ماہنامہ شریعت' امارتِ اسلامیہ افغانستان کا اردو زبان میں واحد اور باضابطہ دینی، ثقافتی اور سیاسی مجلہ ہے۔ یہ امارت اسلامیہ کے رسمی 'میڈیا و ثقافتی کمیشن' کی جانب سے شائع ہوتا ہے۔ ماہنامہ شریعت افغانستان میں جاری اسلام و کفر کی کشمکش، سیاسی و جہادی واقعات و حالات اور ستم رسیدہ مسلمانوں پر روا رکھے جانے والے انسانیت سوز مظالم کا سچا اور چشم دید عکاس ہے۔

عکس درون

بائی ذنب قتلت	2
ملا رحمت اللہ شہید کی زندگی اور کارناموں پر ایک نظر	3
برمی حکومت کے مظالم کی وجوہات!	6
طالبان امریکی ہاموی گاڑی کیسے استعمال کرتے ہیں؟	9
کردستان ریفرنڈم: عراق کی تقسیم کا پہلا قدم	11
لاس ویگاس کا ملزم 'خالص عیسائی' تھا	15
بلیک ہاک طیارے	16
جیمز میٹس پر خوف ناک حملہ	17
ٹرمپ کی افغان اسٹریٹیجی ناکام ہے	18
تین حملوں نے دشمن کی کمر توڑ دی	20
امریکی میڈیا حقائق مسخ کرتا ہے!	22
اونٹ پالنے والے دروازے بڑے رکھتے ہیں	23
امریکی پالیسیوں کے خلاف عوامی تحریکیں	25
امریکی حملے کی پہلی رات	26
برستے بموں کے درمیان عمان کانفرنس؟	28
کیا ٹرمپ کو پاگل کا کردار دیا گیا ہے؟	29
امریکا، داعش اور کرزئی	31
دنیا کے مشہور نظامہائے حکومت	32
طالبان کی سیاست نے صلیب کا خواب چکنا چور کر دیا	35
کئی مہینوں سے جاری کارروائیاں طالبان کے دو حملوں کی نظر ہو گئیں	36
سعودی شاہ کا دورہ روس اور اس کے مقاصد	37
جنگی جرائم (ستمبر)	39
افغانستان اکتوبر 2017 میں	41

Twitter: www.twitter.com/shariatmagazine1
Facebook: www.facebook.com/shariatmagazine
Web: www.alemarahurdu.com
E-mail: shariatmagazine@yahoo.com

بای ذنب قتلوا ؟؟؟

محترم قارئین نے ملکی اور عالمی ذرائع ابلاغ پر یہ دل خراش خبر ضرور پڑھی اور سنی ہوگی کہ کابل ادارے اور بیرونی غاصب فوج نے ایک دینی مدرسے کے ایک استاذ اور قرآن کریم حفظ کرنے والے 21 طلبہ کو بڑی بے رحمی اور بے دردی سے شہید کر دیا ہے۔ رواں ماہ نومبر کی 22 تاریخ کو بیرونی غاصب اور افغان کٹھ پتلی فوج نے مل کر رات کے وقت میدان وردگ کے ضلع نرخ کے گاؤں عمر خیل کے ایک دینی مدرسے پر چھاپہ مارا اور مدرسے میں موجود ایک استاذ اور قرآن کریم کے حفظ کرنے والے 10 سے 15 برس کی عمر کے 21 بچوں کو انتہائی بے دردی سے شہید کر ڈالا۔ عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ ظالم فوج نے سب کو دیوار کے ساتھ ہاتھ باندھ کر ایک لائن میں بٹھایا اور پھر الگ الگ پر سر میں فائرنگ کر کے سب کو شہید کر دیا۔

ٹرمپ جو صدر بش کا اصلی جانشین اور اسلام و مسلمانوں کے ساتھ دشمنی اور تعصب میں اس سے بھی بڑھ کر ہے، کی طرف سے افغانستان کے حوالے سے نئی پالیسی سامنے آنے کے بعد یہی خیال کیا جا رہا تھا کہ اس سے افغانستان میں درندگی اور وحشت کا ایک خونخوار سلسلہ پھر سے شروع ہو جائے گا۔ جس میں ہوائی طاقت خصوصا ڈرون سے زیادہ کام لیا جائے گا اور اس طرح سے یہ لوگ اپنی شرمناک شکست اور بڑے بڑے جانی اور مالی نقصانات کا بدلہ عام مظلوم افغانوں کے گھروں پر بمباری کر کے لیں گے۔

تو وہی ہوا جس کا خدشہ تھا کہ آج اس نئی پالیسی کے اعلان کے بعد کٹھ پتلی افغان فوج اور بیرونی غاصب فوج جس کے لئے آج کل مشترکہ فوج کی اصطلاح استعمال کی جا رہی ہے، نے ملک کے تمام حصوں میں راتوں کو گھروں پر چھاپے مارنے اور بمباری کرنے پر زور دے رکھا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ چھاپے بڑے وحشتناک ہیں اور ایسے لگتا ہے جیسے چھاپوں کے دوران کسی خاص مقاصد و اہداف کے لئے تشدد کو بطور خاص شامل کیا گیا ہے۔ اب یہ عالم ہے کہ چھاپوں کے دوران نوجوانوں کو گرفتار کر کے نہیں لے جایا جاتا بلکہ مار دیا جاتا ہے۔ کٹھ پتلی فوج کے اہلکار افغان قوم کو نقصانات پہنچانے، قتل و غارت کرنے اور افغانوں کے ساتھ دشمنی میں بیرونی غاصب فوجوں سے بڑھ کر اخلاص دکھا رہے ہیں وجہ ہے کہ آج کل قوم کو زیادہ تر نقصانات انہی کے ہاتھوں پہنچ رہے ہیں۔

یہ لوگ رات کی تاریکی میں گھروں میں داخل ہوتے ہیں، مال و اسباب لوٹتے ہیں اور جوانوں کو گھروں سے نکال کر فائرنگ کر کے مار دیتے ہیں پھر شوشہ چھوڑتے ہیں کہ ہم نے مسلح افراد کو نشانہ بنایا ہے حالانکہ وہ مسلح نہیں بلکہ عام نہتے شہری ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان لوگوں نے اہل علم اور مراکز علم کو خاص طور پر نشانہ بنایا ہوا ہے۔ مدارس پر چھاپوں میں شدت آگئی ہے، انہی دنوں کئی مدارس سے اساتذہ اور طلبہ کو گرفتار کر کے لے جایا گیا ہے۔ مثلا کچھ عرصہ پہلے خوست کے ایک مدرسے کے 17 طلبہ کو شہید کیا، اسی طرح ضلع نادر شاہ کے علاقہ کوٹ میں بھی امریکیوں نے ایک مدرسے پر چھاپہ مارا اور ایک استاذ سمیت کئی طلبہ کو شہید کیا۔ اربکی ملیشا کے نام سے امریکہ کے بنائے ہوئے نئے خونخوار مسلح لشکر نے اُن علماء کرام کو بڑی بے دردی کے ساتھ قتل کیا ہے جو اپنے اپنے علاقے میں مقبولیت کے حامل تھے، اہل علاقہ کی دینی رہنمائی کرتے تھے اور کٹھ پتلی حکومت کے ظلم و ستم پر تنقید کرتے۔

لیکن میدان وردگ میں پیش آنے والا یہ واقعہ کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا اس لئے کہ اسلامی ممالک کے حکمران چاہے جتنے بھی بے دین ہوں لیکن بدنامی سے بچنے کے لئے اس قسم کی وحشی کارروائیوں سے گریز کرتے ہیں مگر اشرف غنی کی سربراہی میں بننے والا ادارہ بیرونی غاصبین سے بڑھ کر کفر کے ساتھ مخلص بنا ہوا ہے اور اپنی اسلام دشمنی کو ظاہر کر چکا ہے تو اس نے وہ کچھ بھی کر دکھایا جس کی توقع ایک اسلامی ریاست میں غیر اسلامی حکومت سے نہیں کی جا سکتی۔ ہر شخص جانتا ہے کہ بیرونی غاصبین اور داخلی فوجیوں کے ہاتھوں شہید ہونے والے یہ بچے جن کی عمریں 10 سے 15 برس کے درمیان تھیں سب اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن کریم کے طالب علم تھے اور اپنی کم عمری کے باعث اس قابل نہیں تھے کہ کسی کے خلاف اسلحہ اٹھا سکیں یا کسی عسکری گروپ میں شامل ہو سکیں۔ نہ ہی وہ کسی عسکری گروپ کے ساتھ کسی قسم کے روابط رکھنے کی پوزیشن میں تھے کہ ان کے یہ روابط ان ظالموں کے لئے انہیں شہید کرنے کا بہانہ بن سکتے۔ ان بچوں کا سوائے اس کے کوئی جرم نہیں تھا کہ ان معصوم بچوں اور ان کے ماں باپ نے وطن عزیز میں آئے ہوئے بیرونی غاصبوں اور ان کے کٹھ پتلیوں کی ان کوششوں کو بڑی ہمت اور جوانمردی سے عملا چیلنج کیا تھا جو وہ اس ملک کی نوجوان نسل کو گمراہ کرنے، فحاشی، عریانی اور بے حیائی میں مبتلا کرنے کے لئے کر رہے ہیں۔

دین اسلام اور اللہ تعالیٰ کی مقدس کتاب قرآن کریم کے ساتھ ان کی یہ محبت دنیائے کفر کے ہاں سب سے بڑا جرم تھا یہی وجہ ہے کہ اتنی بڑی بے دردی، بے رحمی اور وحشت پر پوری مغربی دنیا خاموش ہے، وہ لوگ جو اپنے مفاد کے لئے دنیا کے ایک کونے میں کسی انسان دشمن حیوان کے قتل پر بھی دنیا سر پر اٹھا لیتے ہیں، اس دلخراش واقعہ پر گونگے بنے ہوئے ہیں۔ آج اس واقعہ پر نہ اقوام متحدہ کی طرف سے کوئی اقدام ہوتا ہے نہ یورپی یونین کی جانب سے اس ظلم و سربریت پر کوئی موقف سامنے آیا ہے اور نہ ہی انسانی حقوق کی تنظیموں نے اس حوالہ سے کوئی مؤثر آواز اٹھائی ہے۔ کہاں ہیں انسانی مساوات کے جھوٹے دعوے کرنے والے؟ اور کہاں ہے انسانی حقوق کے نام پر بننے والے ادارے؟ سکول میں پڑھنے والی ایک بچی پر فائرنگ ہوتی ہے اور وہ زخمی ہو جاتی ہے تو پوری دنیا چیخ اٹھتی ہے لیکن یہاں 21 طالب علموں کے سروں پر گولیاں ماری جاتی ہیں اور پوری دنیا ظالمانہ خاموشی کی چادر اوڑھے ہوئے ہے اور کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ گویا دنیا میں کہیں ظلم و سربریت کا کوئی چھوٹا سا واقعہ بھی پیش آیا ہے۔ یہ اور اس جیسے دیگر واقعات پیش آنے پر مغربی مؤقف اور منافقت سے پردہ اٹھ جاتا ہے اور ان کا اصلی چہرہ دنیا کے سامنے آجاتا ہے۔

اپنے دین کے ساتھ وفاداری اور اپنی کتاب کے ساتھ محبت کے جرم میں کٹھ پتلی ادارے کا ان معصوم پھولوں کو شہید کرنا اور ان جیسے دیگر واقعات یہ ثابت کرتے ہیں کہ اشرف غنی اور اس کا ادارہ صلیبی مغرب کی غلامی اور خدمت میں اسلام، قرآن اور حاملین قرآن کے ساتھ جنگ اور دشمنی میں اصلی صلیبیوں سے بھی زیادہ مخلص ہے۔

اسلام اور قرآن کے ان دشمنوں کو جاننا چاہئے کہ ان کی یہ کوششیں مکمل طور پر ناکام ہیں، اس قسم کے اقدامات سے یہ لوگ فرزندان اسلام کے دلوں سے اپنے دین اور اس کی تعلیمات سے محبت نکال نہیں سکتے، بلکہ اس قسم کے واقعات رونما ہونے پر کٹھ پتلی حکومت سے لوگوں کی نفرت میں مزید اضافہ ہو جاتا ہے اور اسلام و قرآن کریم کے ساتھ نوجوانوں کی محبت اور بڑھ جاتی ہے، مدارس کی تعداد میں اضافہ ہو جاتا ہے، دین سیکھنے اور سکھانے کا جذبہ اور احساس نوجوانوں میں پہلے سے بڑھ جاتا ہے اور نوجوانوں کا یہی جذبہ ان غاصبین اور ان کے کٹھ پتلیوں کی شرمناک شکست کو یقینی بنائے گا۔ ان شاء اللہ تعالی .

ملا رحمت اللہ شہید کی زندگی اور کارناموں پر ایک نظر

عبدالرؤف حکمت

ملا رحمت اللہ اخند شہید کا شمار بھی ان مشہور غازیوں میں ہوتا ہے جنہوں نے افغانستان میں امارت اسلامیہ کے قیام کے لئے انتھک جدوجہد کی اور اسی راہ میں اپنی جان کا نذرانہ پیش کیا۔ موصوف کا نام اگرچہ زیادہ مشہور نہیں تھا لیکن وہ اسلامی تحریک کے پہلے اور اہم فوجی کمانڈروں میں سے تھے۔ ملا محمد آخوند شہید اسلامی تحریک کے پہلے فوجی کمانڈر تھے اور ملا رحمت اللہ اخند ان کے نائب کی حیثیت سے فرائض سر انجام دیتے تھے۔ ملا محمد اخوند اور ملا رحمت اللہ اخوند کی قیادت میں قندھار، ہلمند اور افغانستان کے مغربی صوبے اور کئی دیگر علاقے فتح ہوئے تاہم ابھی تک امارت اسلامیہ کی اسلامی حکومت سے لطف اندوز نہیں ہوئے تھے کہ شہادت کے اعلی مقام پر فائز ہوگئے، اس تحریر میں ان کی زندگی اور کارناموں کی مختصر تفصیل زیر قرطاس کرتا ہوں، آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

ملا رحمت اللہ اخند:

شہید ملا رحمت اللہ اخند نے قندہار ضلع ارغنداب کے علاقے جازہ میں الحاج ملا فیض محمد اخند کے دیندار گھرانے میں آنکھ کھولی۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کی مسجد میں حاصل کی اور کچھ عرصہ بعد جب افغانستان پر سوویت یونین نے یلغار کی تو ان کے خاندان نے بھی ہجرت کر کے بلوچستان میں قائم سرخاب کیمپ میں رہائش اختیار کی اور وہاں پر اپنی تعلیم کا سلسلہ جاری رکھا۔

ملا رحمت اللہ اخند نے کمیونزم کے خلاف جہادی کارروائیوں میں حصہ لیا اور جہاد کی کامیابی کے بعد حصول علم کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا اور قندہار کے علاقے سوزنی میں مولوی خدائے نظر صاحب کے مدرسے میں کچھ کتابیں پڑھیں اور بعد ازاں کوئٹہ میں مشہور عالم دین شیخ الحدیث مولانا عبدالعلی دیوبندی صاحب کے مدرسہ میں داخلہ لیا اور حصول علم کا سلسلہ جاری رکھا۔

طالبان کی اسلامی تحریک کا آغاز:

ملا رحمت اللہ اخند نے شہادت سے کچھ عرصہ قبل مشہور لکھاری ملا محمد حسین مستعد شہید کے ساتھ انٹرویو میں اسلامی تحریک کے ابتدائی دور کی کامیابیوں کے بارے میں کچھ تفصیلات فراہم کیں جس کی آڈیو انٹرویو محفوظ ہے، آیئے ان کی زبانی سنتے ہیں:

سن 1373 میں دوسرے دوستوں کے ساتھ میں بھی مولوی عبدالعلی دیوبندی صاحب کے مدرسے میں حصول علم میں مصروف تھا کہ اطلاع ملی کہ قندھار میں شر اور فساد کے خلاف طالبان کی اسلامی تحریک شروع ہوئی ہے۔ میں نے ملاداد اللہ اخوند، مولوی عبدالغفور، مولوی عبدالوکیل متوکل اور دیگر دوستوں کے ہمراہ قندھار کا رخ کیا، قندھار پہنچنے کے بعد پتہ چلا کہ ملا محمد عمر مجاہد کی قیادت میں ضلع میوند کے علاقے سنگیسار میں اسلامی تحریک کا آغاز ہوا ہے۔ ہم بھی وہاں گئے اور تحریک میں شامل ہوگئے۔

اسلامی تحریک کی قیادت نے مجاہدین کا ایک گروپ تشکیل دی، ملا رحمت اللہ اخند کو اس گروپ کا سربراہ مقرر کیا گیا جن میں ملاداد اللہ شہید اور امارت کے بہت سارے سینئر فوجی رہنما، "جو بعد ازاں مستقل گروپوں کے سربراہ بن گئے" شامل تھے۔ ملا رحمت اللہ نے کہا کہ ہم نے سب سے پہلے پاشمول کے علاقے میں ظالم کمانڈر دارو خان اور صالح کی چیک پوسٹوں پر حملہ کیا، اس جنگ میں ہم 200 طالبان تھے جن میں صرف 50 ساتھی مسلح تھے۔

ملا رحمت اللہ اخند نے سنزری، ڈنڈ اور دیگر علاقوں کی فتوحات کی تفصیل بتانے کے بعد کہا کہ ملا محمد اخند شہید کی قیادت میں مجاہدین نے سرحدی شہر اسپین بولدک کو فتح کیا اور اس کے بعد طالبان نے قندھار کے مرکز کو فتح کرنے کی منصوبہ بندی کی، ملا محمد آخوند کو سربراہ اور ملا رحمت اللہ اخوند کو ان کا نائب مقرر کیا گیا، انہوں نے نہایت بہادری سے قندہار پر حملہ کر کے شہر پر اپنا کنٹرول قائم کیا اور

قندہار کو مکمل طور پر فتح کیا۔

ملا رحمت اللہ اخند نے بولدک کو فتح کرنے کے بعد قندھار کے انزر گی، قشلہ جدید اور دھلی بند کی جنگوں میں شرکت کی، اس کے بعد ملا محمد اخند کو قندھار کے کور کمانڈر تعینات ہوئے تو ملا رحمت اللہ اخند کو ان کا نائب مقرر کیا، ہلمند کے شمالی اضلاع میں جرائم پیشہ عناصر کے خلاف جہادی کارروائیوں میں ملا رحمت اللہ اخند نے اہم کردار ادا کیا اور قلعہ ساروان اور تکی کی جنگ میں دشمن کو شکست دی۔

ملا رحمت اللہ اخند کی عمر اس 23 سال تھی لیکن وہ باصلاحیت، بہادر اور منصوبہ ساز تھے اس لئے وہ مجاہدین میں بہت مقبول ہوئے اور امارت اسلامیہ کے بانی ملا محمد عمر مجاہد رحمہ اللہ ہمیشہ ان کے ساتھ فوجی امور کے بارے میں مشورہ اور ان پر زیادہ اعتماد کرتے تھے، عسکری امور میں بڑی بڑی ذمہ داریاں ان کے سپرد کی جاتی تھیں وہ نہایت خوش اسلوبی اور ایمانداری سے انجام دیتے تھے۔

ملا رحمت اللہ اخند جو اسلامی تحریک کے ابتدائی دور میں ملا محمد اخند کے قریبی ساتھی تھے اور ان دونوں کی بہت ساری خصوصیات ہم مثل تھیں۔ دونوں کی رائے یہ تھی کہ جنگ کے میدان میں مخالفین کو غیر ضروری طور پر قتل کرنے سے اجتناب کیا جائے اور حتی الوسع کوشش کی جائے کہ مخالفین کو مارنے کے بجائے انہیں راہ فرار اختیار کرنے کا موقع دیا جائے تاکہ قتل عام بھی کم ہو اور وطن عزیز کو بھی لاقانونیت اور ظالمانہ نظام سے نجات دی جائے۔ ملا رحمت اللہ اخوند کے ایک دوست نے کہا کہ ہلمند ضلع سنگین کے علاقے گرماوک پہاڑ میں ملا رحمت اللہ نے دشمن کے چند افراد کو گرفتار کیا اور ان سے ہتھیار لے کر انہیں بھاگنے کی ہدایت کی اور بتایا کہ ایسا نہ ہو کوئی آپ کو قتل کرے، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے اسلامی تحریک کے ابتدائی دور میں انسانی جانوں کے بہت کم ضیاع سے افغانستان کے نصف سے زیادہ رقبے پر اسلامی نظام نافذ کر کے لاقانونیت، کرپشن اور فساد کو ختم کیا۔

ملا محمد اخند کے معاون کی حیثیت سے:

سن 1374 کے پہلے چھ مہینوں کے دوران مغربی افغانستان کے صوبوں فراہ، نیمروز اور ہرات میں طالبان اور کمانڈر اسماعیل خان کی فورسز کے درمیان گھمسان کی جنگ جاری تھی، کئی بار طالبان فراہ اور نیمروز صوبوں کو فتح کرنے کے قریب پہنچے لیکن اسماعیل خان، کریم بلوچ اور غفار اخندزادہ و دیگر جنگجو کمانڈروں نے مجاہدین کو دوبارہ ہلمند تک پیچھے دھکیل دیا اس جنگ کی کمان ملا محمد اخوند کے سپرد تھی جبکہ ملا رحمت اللہ اخند نے میدان شہر اور چہار اسیاب میں فرنٹ لائن کی کمان سنبھال رکھی تھی اور ضرورت کے تحت انہیں مغربی محاذ کو بھی بلایا جاتا تھا۔

صوبہ ہرات کو فتح کرنے سے قبل جب ملا محمد اخوند زخمی ہوا تو ملا رحمت اللہ اخند کو ان کے جنگی محاذ کا سربراہ مقرر کیا گیا اور ملا محمد اخوند کی صحت یابی تک وہ ذمہ داریاں انجام دیتے تھے۔ جب ملا محمد اخوند صحت یاب ہو کر واپس آئے تو اسی وقت کمانڈر اسماعیل خان نے صوبہ فراہ پر حملہ کیا اور طالبان کو ضلع گلستان سے پسپا کر دیا، اس وقت ملا رحمت اللہ بھی ان کے شانہ بہ شانہ کھڑے تھے، ان کے قریبی ساتھی ملا عبدالغفار اخند کہتے ہیں کہ جب ضلع دلارام کی جنگ میں شدت آئی تو ملا رحمت اللہ اخوند اپنے دس ساتھیوں کے ہمراہ دن بھر مزاحمت کرتے رہے۔

دلارام کے بعد طالبان ہلمند کے شوراب علاقے میں مورچہ زن ہو گئے، ان کی افرادی قوت بھی کم تھی اور ہتھیار بھی ناکافی تھے لیکن انہوں نے شوراب علاقے میں کمانڈر اسماعیل خان کے جنگجو کی پیشرفت کا راستہ روکا، اس دوران ملا محمد اخوند شہید ہو گئے تو ملا رحمت اللہ اخوند نے ان کی لاش تشویش ناک حالت میں اٹھا کر دشمن کے قبضے سے بچالیا، ملا رحمت اللہ نے جنگ کی کمان سنبھالتے ہوئے ہلمند کے ضلع گرشک میں فرنٹ لائن قائم کر دی، اس وقت اسلامی تحریک کے سربراہ ملا محمد عمر مجاہد نے ملا مشر شہید، ملا محمد ربانی اور کئی دوسرے رہنماؤں کو ان کی مدد کے لئے ہلمند بھیج دیا اور ملا رحمت اللہ کو ملا محمد اخوند کی جگہ عمومی کمانڈر مقرر کیا، مجاہدین نے گرشک میں کمانڈر اسماعیل خان کے جنگجو پر حملہ کر کے ان کو شکست دی اور ان کا تعقب جاری رکھ کر صوبہ ہرات کو بھی فتح کیا۔

صوبہ ہرات کی فتح ایک بڑی اور اسٹریٹجک کامیابی تھی جس کی خوشی میں کچھ مجاہدین نے ہوائی فائرنگ کی لیکن ملا رحمت اللہ نے ان کو منع کیا اور غیر ضروری فائرنگ کو بیت المال کے ساتھ خیانت قرار دیا۔

شہادت:

ہرات کی فتح کے بعد ملا رحمت اللہ اخند کو کابل کے چہار اسیاب کی کمان کی

ذمہ داری دی گئی، چہار اسیاب میں انہوں نے اس سے پہلے بھی جہادی فرائض انجام دیئے تھے اور ایک بار زخمی بھی ہوا تھا اور دوسری بار بھی نہایت دیانتداری اور خوش اسلوبی سے فرائض انجام دیئے۔

ملا عبدالغفار اخوند جو چہار اسیاب میں ملا رحمت اللہ اخند کے قریبی ساتھی تھے، کہتے ہیں کہ ملا رحمت اللہ ایسے کمانڈر نہیں تھے کہ مشکل محاذ پر دوسرے ساتھی کو بھیجتے بلکہ سب سے پہلے خود وہاں پہنچنے کی کوشش کرتے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ چہار اسیاب کی فرنٹ لائن میں ایک بار رات کو میں جاگ گیا تو دیکھا کہ تور سرنامی پہاڑ سے فائرنگ ہورہی ہے، میں نے سوچا کہ شاید دشمن نے اس پہاڑ پر قبضہ کیا ہے، میں نے ملا رحمت اللہ اخند کو جگایا کہ وہ کسی کو بھجوا کر صورتحال معلوم کریں لیکن ملا رحمت اللہ اخند نے رات کو خود جا کر پتہ کیا اور صورتحال کا جائزہ لیا۔

ملا رحمت اللہ اخند کے دوستوں کا کہنا ہے کہ قربانی کے جذبے سے سرشار تھے اور ہمیشہ فرنٹ لائن کے مورچوں میں خطرناک پوزیشن پر جاتے تھے اور حملے سے قبل دشمن کے مورچوں، بارودی سرنگوں اور جنگی محاذ کی معلومات خود حاصل کرتے تھے اور آخر کار ان کی شہادت بھی اس وقت ہوئی جب وہ دشمن پر حملے کے لئے صورتحال کا جائزہ لے رہے تھے۔

ان کے کزن ملا تاج محمد اخوند کہتے ہیں کہ چہار اسیاب ریشخور و کے علاقے تپہ سکڈ میں ملا رحمت اللہ اخند مشہور کمانڈر ملا داد اللہ اخوند کے ہمراہ دشمن کے مورچوں کی معلومات حاصل کرنے اور صورتحال کا جائزہ لینے میں مصروف تھے کہ ملا داد اللہ اخوند پر بارودی سرنگ کا دھماکہ ہوا اور ان کی ایک ٹانگ کٹ گئی اور ملا رحمت اللہ اخند کو دوسری جانب پھینک دیا جن پر دوسرے بم کا دھماکہ ہوا اور وہ موقع پر شہادت کے اعلی مقام پر فائز ہوئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

چند کارنامے:

ملا رحمت اللہ کے کزن ملا تاج محمد کا کہنا ہے کہ وہ ایک حقیقی اور مخلص مجاہد تھے، پیسوں اور دولت سے لاتعلق تھے، ایک بار ایک سرمایہ دار شخص نے ان اور ان کے دیگر دو ساتھیوں کے ساتھ مالی تعاون کیا لیکن انہوں نے وہ رقم بیت المال میں جمع کرادی اور کہا کہ اگر میں کمانڈر یا امارت اسلامیہ کا ذمہ دار شخص نہ ہوتا تو وہ مجھے اتنی بڑی رقم نہیں دیتے۔

امارت اسلامیہ کے بانی ملا محمد عمر مجاہد نے کئی بار ملا رحمت اللہ اخوند کو قیمتی گاڑی فراہم کی لیکن وہ اچھی گاڑی سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے اور ہر بار قیمتی گاڑی وصول کر کے اپنے دوستوں کو دیتے تھے اور خود عام گاڑی میں سفر کرتے تھے، اچھے اخلاق اور اخلاص کی وجہ سے امارت اسلامیہ کے سربراہ ان سے خصوصی تعلق قائم رکھتے تھے، ان کی شہادت سے وہ بہت رنجیدہ ہوئے اور ساتھیوں کو بتایا کہ وہ ان کی شہادت کا اعلان نہ کریں بلکہ خفیہ طور پر انہیں اپنے آبائی گاؤں میں سپرد خاک کریں۔ ان کی شہادت کے بعد بھی امیر المؤمنین ان کے گھر جاتے، ان کے قریبی رشتہ داروں کی خبرگیری کرتے اور ان کے لئے دعا کرتے۔

ملا رحمت اللہ شہید کی فوجی صلاحیت اور استحکام کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ ایک بار عید کے موقع پر صوبہ میدان شہر میں فرنٹ لائن کے اکثر مجاہدین چھٹی پہ گئے تھے، احمد شاہ مسعود کے جنگجو نے بڑا حملہ کیا، اس وقت ملا رحمت اللہ اخند صرف 8 ساتھیوں کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے اور دشمن کے 300 اہلکاروں نے اچانک حملہ کیا اور کچھ علاقوں پر قبضہ بھی کیا لیکن بعد ازاں اللہ کی مدد سے انہوں نے دشمن کا حملہ پسپا کر دیا اور اس کو بھاری جانی و مالی نقصان سے بھی دوچار کر دیا۔

ملا رحمت اللہ اخند نے بڑے بڑے کارنامے انجام دیکر 23 سال کی عمر میں شہادت کے اعلی مقام پر فائز ہوئے، انہوں نے پسماندگان میں صرف ایک بیٹا چھوڑ دیا جو ابھی حصول علم میں مصروف ہے لیکن ان کا جہادی محاذ اب بھی فعال اور امریکہ کے خلاف جہاد میں سرگرم عمل ہے اور اس بڑے بڑے کارنامے سرانجام دیئے ہیں. امریکہ کے خلاف جہاد میں ان کے خاندان کے چھ افراد شہادت کے اعلی مقام پر فائز ہو چکے ہیں۔ رحمہم اللہ تعالی

برمی حکومت کے مظالم کی وجوہات!

حسن مومند

برما کے صوبہ اراکان میں بدھسٹ فوج اور عوام کے ہاتھوں مسلمانوں کا قتل عام اور ظلم کی بظاہر وجہ صرف اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بودھسٹ عوام کی حد سے زیادہ دشمنی اور کچھ اقتصادی مسائل ہیں۔ غور کیا جائے اور دنیا کے سیاسی حالات کو دیکھا جائے تو اس نتیجے پر پہنچنا مشکل نہیں کہ مسلمانوں سے بدھوں کی دشمنی کے ساتھ ساتھ پس پردہ دنیا کی غاصب قوتوں کے منصوبے بھی ہیں۔ یہاں ایسے حالات پیدا کر کے یہ لوگ اپنے اہداف تک پہنچنا چاہتے ہیں۔

غرور اور بدمعاشی سے بھری امریکا کی حالیہ پالیسی، دنیا بھر کے فیصلوں کا اختیار اپنے پاس رکھنے کا زعم اور پوری دنیا کو اپنے تابع کرنے کی سوچ کے ردِ عمل میں دو بڑی طاقتیں روس اور چین ایک دوسرے کے بہت قریب ہو گئیں ہیں۔ یہ دونوں مل کر امریکا کا مقابلہ کرنا چاہتی ہیں۔ اس سلسلے میں دونوں ممالک کی کوشش ہے کہ اپنے دو بڑے منصوبوں 'چین کا ون بیلٹ ون روڈ' اور روس کا 'یوریشیا اکنامک کونسل' کو آپس میں ملا دیا جائے، تاکہ یوریشیا یعنی روس اور ایشیا مادی اور عسکری لحاظ سے سب سے بڑی قوت بن جائیں۔ جس سے امریکا کی چودھراہٹ کو دھچکا لگنے کا قوی امکان ہے۔

امریکا ابھی تک اکیلے ہی حکمرانی کا خواب دیکھ رہا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ دنیا میں کوئی اس کا مقابل بن کر کھڑا ہو جائے۔ اس لیے وہ چین اور روس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے۔ دنیا کے بڑے اقتصادی منصوبوں میں دونوں ممالک کی سرمایہ کاری میں رکاوٹیں کھڑی کر رہا ہے۔ اس کی کوشش ہے کہ عالمی سطح پر بڑے فیصلوں میں ان دونوں ممالک کا حصہ کبھی امریکا کے برابر نہ ہو جائے۔

تقریباً ڈیڑھ عشرہ قبل دنیا میں سامنے آنے والے نئے انکشافات کے سلسلے میں یہ معلوم ہو گیا ہے کہ برما کے صوبے اراکان کے سمندری علاقے میں گیس اور تیل کے بڑے ذخائر موجود ہیں، جن کی وجہ سے برما کے ساتھ چین کی دل چسپیاں بڑھ گئی ہیں۔ دونوں ممالک کے تعلقات بہتر ہونے لگے ہیں۔ چین نے 2006 میں اراکان کے ساحلی شہر 'کیاؤکپایو' سے چین تک تیل کی پائپ لائن لے جانے کا اعلان کیا تھا، جس پر بہت جلد کام شروع کر کے بہت جلد مکمل کر لیا گیا تھا۔ یہ 770 کلومیٹر طویل پائپ لائن 24 گھنٹوں میں 2 لاکھ 60 ہزار بیرل تیل منتقل کرنے کی وسعت رکھتی ہے۔ چین اس میں مزید وسعت چاہتا ہے۔ بظاہر اس لائن کا مقصد یہ دکھایا جاتا ہے کہ چین اس راستے بہت آسانی سے مشرق وسطی کا تیل چین میں کھینچ لینا چاہتا ہے، مگر امریکا اور دیگر مغربی ممالک سمجھتے تھے کہ چین کا اصل مقصد اراکان کے ذخائر پر قبضہ ہے۔ اس لیے انہوں نے ان ذخائر پر چین کا قبضہ روکنے کے لیے شیطانی منصوبے اور اقدامات شروع کر دیے۔

ہندوستان ایشیائی خطے میں امریکا کا سب سے بڑا کٹھ پتلی ملک بن چکا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ خطے میں خود کو بڑی قوت بھی سمجھنے لگا ہے۔ وہ خود کو چین سے کم قوت نہیں سمجھتا، بلکہ امریکا کے اشارے پر خطے کے مسائل مین چین کا مقابلہ کرنا چاہتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ انڈیا چین کے خلاف مشکلات پیدا کرتا ہے۔ جس کی واضح مثال صوبہ اراکان ہے۔ جب یہاں چین نے تیل پائپ لائن بچھانے کا اعلان کیا تو اس کے ساتھ ہی ہندوستان نے بھی برما تک ہاتھ پھیلا دیے۔ جس سے دونوں ممالک کے تعلقات مضبوط ہو گئے۔ ہندوستان نے اعلان کیا کہ وہ اراکان کے دارالحکومت 'ستیو' کے مضافات میں ساحلی خطے میں ایک بڑی بندرگاہ بنائے گا۔

ہندوستان نے بندرگاہ پر بہت تیزی سے کام کیا۔ 2017 کے اوائل میں کام مکمل ہو گیا اور اپریل میں برما کی حکومت کو یہ بندرگاہ حوالے کر دی گئی۔ انڈیا برما میں اپنا اثر بڑھا کر بہت فائدے اٹھا رہا ہے۔ اس کی تجارت بڑھ گئی ہے۔ سرمایہ

کاری کے نئے مواقع حاصل ہوئے ہیں۔ اپنے حریف چین کی راہ میں رکاوٹیں ڈال رہا ہے یا کم از کم رقابت کے میدان میں خود کو پیچھے نہیں رہنے دیتا۔ یوں اُس نے پورے مغرب اور امریکا کو اپنے قریب رکھا ہوا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ایک بڑا فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی 7 ریاستیں ایک نئے راستے سے دیگر ممالک کے ساتھ مل جائیں گی۔ ہندوستان کے شمال مشرق میں واقع 7 ریاستیں صرف اور صرف سیلگوری کے راستے ہندوستان کے دوسرے حصوں سے ملی ہوئی ہیں۔ جس کی وجہ سے لوگ بہت سے ٹریفک مسائل کے شکار ہیں۔ ہندوستان نے برما میں بندر گاہ بنا کر برما کے ذریعے اپنی 7 ریاستیں ملک کے دیگر حصوں سے ملا دی ہیں۔ جس کی وجہ سے ان کے آمد ورفت کے مسائل حل ہو جائیں گے۔ یہ بھی ہندوستان کے لیے بڑی کامیابی سمجھی جاتی ہے۔ ہندوستان نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ بہت جلد ارکان سے شمال مشرقی ریاستوں تک گیس پائپ لائن بچھائے گا۔ جب صوبہ اراکان میں گیس اور تیل کے ذخائر کی موجودگی کی بات سامنے آئی، اسی وقت سے برمی حکومت نے اراکان میں طرح طرح کے بہانوں سے مسلمانوں کی زمینوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ 2011 کے بعد اس سلسلے میں کافی تیزی آئی ہے۔

ایک جانب برما کی فوجی حکومت پر مغربی دنیا کی جانب سے انتخابات کی راہ ہموار کرنے اور منتخب حکومت کے قیام کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنے پر دباؤ تھا۔ دوسری جانب یورپی ممالک اور امریکا کی جانب سے لگائی گئی پابندیوں کے باعث ملکی معیشت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیے فوجی حکومت نے 2011 میں برما میں انتخابات کا انعقاد کیا۔ انتخابات میں مغرب کی قریب ترین اور مقبول شخصیت نوبل انعام یافتہ سیاسی رہنما آنگ سان سوچی کی کامیابی تسلیم کرلی گئی۔ جس سے ایک ایسی حکومت قائم ہوگئی، جو عوامی حکومت سمجھی جا رہی تھی، مگر درحقیقت اس کا اختیار وحشی فوج کے ہاتھوں ہی میں تھا۔ امریکا اور مغرب کو بھی دراصل ایسی ہی حکومت درکار تھی۔

> اب یہ باتیں پوری دنیا پر واضح ہو چکی ہیں کہ اسرائیل واحد ملک ہے، جو برمی فوج کو سب سے زیادہ اسلحہ دیتا ہے۔ فوج کو دیا گیا اسلحہ عام مسلمانوں کے قتل عام میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ برما حکومت کو اسلحہ نہ دے، مگر اسرائیل نے اقوام متحدہ کے حکم کی کوئی پروا نہیں کی۔ وہ پوری ہٹ دھرمی سے برمی فوج کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ اسرائیل اور امریکا کا مشترکہ پروگرام ہے۔

اس حکومت کے قیام کے ساتھ ہی مغرب کی جانب سے لگائی گئی معاشی پابندیاں اٹھالی گئیں۔ یورپ اور امریکا کے سرمایہ کاروں نے سرمایہ کاری کا آغاز کر دیا، جس کے ساتھ یہاں معاشی خوش حالی کا آغاز ہوا۔ پورے ملک میں اجتماعی طور پر اور اراکان میں خصوصاً نئی بڑی سڑکوں کا جال بچھایا جانے لگا۔ زراعت، مویشی اور تیل و گیس کے اقتصادی منصوبوں کا آغاز ہو گیا۔ چوں کہ اس منصوبے کے نفاذ کے لیے بڑی زمین درکار تھی اور ساحل کے اکثر علاقوں میں روہنگیا مسلمان رہتے ہیں۔ اس لیے حکومت کی نیت مسلمانوں کی زمینوں پر ہی خراب ہوئی۔ نتیجۃً مسلمانوں سے ان کی زمینیں چھیننے کے لیے مسلمانوں اور بدھوں کے درمیان جنگ کا منصوبہ بروئے کار لایا گیا۔

2012 مئی میں فوج نے یہ بات مشہور کر دی کہ اراکان کے رامری شہر میں 3 مسلمانوں نے ایک بدھ خاتون پر جنسی تشدد کیا اور پھر اسے مار ڈالا۔ حکومت نے یہ بات پورے ملک میں جنگل کی آگ کی طرح پھیلا دی اور اس کے ساتھ ہی اراکان میں بدھ پنڈتوں اور عوام کی جانب سے نہتے مسلمانوں پر بے رحمانہ حملوں کا آغاز ہو گیا۔ بدھوں نے مسلمانوں کی مساجد، مدارس اور گاؤں دیہات جلا ڈالے۔ بوڑھے، جوان، خواتین اور بچوں کا فرق نہیں رکھا گیا۔ جو بھی سامنے آیا، اسے مار ڈالا۔ ہزاروں مسلمان خواتین کو جنسی تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ہلاکتوں کی تعداد کئی ہزار سے زیادہ ہے۔ ہزاروں بنگلہ دیش سمیت دیگر ممالک کی طرف ہجرت پر مجبور ہو گئے۔ بڑی حد تک بدھ حکومت اپنے منصوبے میں کامیاب رہی ہے۔

برما میں وحشی بدھوں اور بدھ فوجیوں کی جانب سے مسلمانوں کے خلاف اتنے خطرناک مظالم کے مقابلے میں امریکا اور دیگر مغربی ممالک نے کچھ بھی ردِ عمل نہیں دکھایا۔ برما سے تجارتی لین دین ختم کیا گیا، اس پر اقتصادی پابندی لگائی گئی، اس کے ساتھ سفارتی تعلقات ختم کیے گئے، ظالم حکومت کے ہاتھ باندھے گئے،

برمی مسلمانوں کے قتل عام میں ملوث حکومت کا خاتمہ ضروری سمجھا گیا اور نہ ہی نیٹو یا اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے ایسی حکومت کے خلاف کوئی چھوٹا سا اقدام بھی ضروری سمجھا، بلکہ پیٹھ تھپکانے اور حوصلہ افزائی کے لیے اکتوبر 2012 میں سابق صدر بارک اوباما نے برما کا دورہ کیا۔ دونوں ممالک کے درمیان بہتر تعلقات میں وسعت پیدا کرنے کے لیے دباؤ ڈالا اور برمی حکمرانوں سے وعدہ کیا کہ چین کے ساتھ برما کے تعلقات محدود ہونے کی صورت میں امریکا اس ملک میں اربوں ڈالر کی سرمایہ کاری کرے گا۔ بارک اوباما کے اس دورے کے بعد برمی حکومت امریکا اور دیگر مغربی ممالک کے ساتھ قربت اور حمایت کے حوالے سے مطمئن ہوئی تو وہ بہت غرور کا شکار ہوگئی۔ اس کمزور حکومت نے چین کو آنکھیں دکھادیں۔ اس کے خلاف رکاوٹیں پیدا کیں اور کوشش کی کہ چین سے ہونے والے تمام معاہدے منسوخ ہو جائیں۔ چین کے ساتھ طے شدہ کچھ اقتصادی منصوبے واپس لے لیے گئے۔ یہ منصوبے یا تو یورپی ممالک کو دیے گئے یا ہندوستان کے ساتھ طے کر لیے گئے۔ بات یہاں تک پہنچی کہ اراکان سے چین کو دی گئی پائپ لائن کو بند کرنے اور یا اس راستے سے تیل کی منتقلی کا راستہ روکنے کا فیصلہ کر لیا۔ چین کی مسلسل کوششوں اور برما کو بہت سی رعایتیں دینے کے بعد پائپ لائن کا سلسلہ دوبارہ شروع کیا گیا، مگر یہ بات واضح ہوگئی کہ برما حکومت اب چین کو پشت دکھا چکی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ برما مغرب اور خصوصاً امریکا کے اثر ورسوخ کا خطہ بن جائے۔

چین یہ سب کچھ دیکھ اور سمجھ رہا ہے، مگر وہ بہت صبر اور حوصلے سے کام لے رہا ہے کیوں کہ اس کے بغیر چارہ بھی نہیں ہے۔ چین یہاں بڑی سرمایہ کاری کے ساتھ ساتھ ون بیلٹ ون روڈ کے نام سے بڑے منصوبے کے عملی نفاذ کے سلسلے میں بڑی سڑک کے منصوبے پر بھی کام کر رہا ہے۔ اس لیے کسی صورت بھی برما حکومت کے ساتھ اپنے تعلقات خراب نہیں کرنا چاہتا، مگر مغربی میڈیا چین کے خلاف یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ برمی حکومت چین کے اشارے پر مسلمانوں کا قتل عام کر رہا ہے، تاکہ برما میں مسلمان ختم ہو جائیں اور ان کی زمینوں پر چین اپنا اقتصادی منصوبہ نافذ کرے۔ حالانکہ یہ سارا منصوبہ امریکا کا ہے۔ جارج سورس نامی مشہور امریکی یہودی تاجر امریکا کے لیے بڑے منصوبے بنانے میں شہرت رکھتا ہے۔ وہ برما کے فوجی سربراہوں کے ساتھ طویل ملاقاتیں کرتا رہا ہے۔ اراکان میں چین کے اقتصادی منصوبے کا راستہ روکنے کے لیے یہاں مسلمانوں کے قتل عام اور خانہ جنگی پر اتفاق کیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ اس امر کے لیے فوجی رہنماؤں کو یہودی تاجر نے بہت بڑی رقم دی ہے۔

اب یہ باتیں پوری دنیا پر واضح ہو چکی ہیں کہ اسرائیل واحد ملک ہے، جو برمی فوج کو سب سے زیادہ اسلحہ دیتا ہے۔ فوج کو دیا گیا اسلحہ عام مسلمانوں کے قتل عام میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اقوام متحدہ نے اسرائیل سے مطالبہ کیا تھا کہ وہ برما حکومت کو اسلحہ نہ دے، مگر اسرائیل نے اقوام متحدہ کے حکم کی کوئی پروا نہیں کی۔ وہ پوری ہٹ دھرمی سے برمی فوج کو اسلحہ فراہم کر رہا ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ اسرائیل اور امریکا کا مشترکہ پروگرام ہے۔ اسی لیے برما حکومت نے بھی اعلانیہ کہا کہ ہم دنیا کی باتوں کی پروا نہیں کرتے۔ اراکان کے روہنگیا مسلمانوں کی مشکلات کے حوالے سے کسی کی مداخلت تسلیم نہیں، کیوں کہ ہم خود اسے حل کر سکتے ہیں۔

اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ اسرائیل، امریکا اور دیگر مغربی طاقتوں کے اشارے پر برمی فوج نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اراکان میں تیل اور گیس کے علاقے مکمل طور پر مسلمانوں سے خالی کرا لیے جائیں۔ جب کہ ایسا ہی ہوا ہے۔ اراکان کا درمیانہ اور نچلا خطہ مسلمانوں سے خالی کروا لیا گیا ہے۔ ان کی زمینوں پر بدھوں کو بسایا گیا ہے۔ صوبے کے دارالحکومت سیتو میں 5 سال قبل 50 ہزار مسلمان رہتے تھے۔ اب یہاں صرف ایک ہزار مسلمان ہیں۔ مسلمان اب سارے اوپر کے حصے اور بنگلہ دیش کی سرحد سے متصل علاقوں میں جمع ہو گئے ہیں۔ بدھ عوام اور حکومت یہاں بھی مسلمانوں پر حملے کر رہی ہے، تاکہ یہاں سے بھی مسلمانوں کو بے دخل کر کے بنگلہ دیش اور دیگر ممالک کی جانب ہجرت پر مجبور کر کے پورا برما ان کے وجود سے خالی کرا لیا جائے۔

طالبان امریکی ہاموی گاڑی کیسے استعمال کرتے ہیں؟

شاہد غزنیوال

ہاموی فوجی گاڑی پہلی بار 1984 میں امریکا میں (General Motors Company) کمپنی کی جانب سے بنائی گئی ۔ ہاموی (Humvee) اس انگریزی جملے کا مخفف ہے۔

High Mobility Multipurpose Wheeled Vehicl

لگتا ہے طالبان نے (Humvee) کے نام الہام لے کر اسے سر فروشانہ حملوں کے لیے اس لیے بھی مناسب سمجھا ہو کہ دیگر گاڑیوں کی بنسبت اسے کار بم حملے میں زیادہ اچھے طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے۔

طالبان کی جانب سے کار بم حملوں میں ہاموی کا استعمال ایسی نئی جنگی تیکنیک ہے جس کی جانب اس کے اصل موجد اور کمپنی کی بھی توجہ نہ گئی ہو گی ورنہ ہاموی کی تعریف میں اسے ضرور شامل کیا جاتا۔

ہاموی بکتر بند گاڑی کی ذمہ داریاں:

پہلی بار امریکا نے اپنی فوج کے لیے 55000 ہاموی گاڑیاں بنوائی تھیں۔ چونکہ یہ گاڑیاں جنگی امور میں فوج کے لیے بہت کارآمد تھیں اس لیے ایک لاکھ مزید گاڑیاں بنوائی گئیں۔ جن میں سے 10000 گاڑیاں صرف عراق میں فوج کو دی گئیں۔ اسی طرح امریکا نے مجاہدین کے خلاف افغانستان کی داخلی فوج کی تیاری کے لیے 2010 اور 2011 میں کابل انتظامیہ کو 6000 ہاموی گاڑیاں دینے کا وعدہ کیا۔ جن میں سے اب تک 4150 گاڑیاں افغانستان پہنچی ہیں۔ اور افغانستان کے مختلف علاقوں میں داخلی فوج کے حوالے کی گئی ہیں۔ ہاموی نئے ماڈل کی بکتر بند گاڑیاں ہیں جس میں ہلکا اور بھاری اسلحہ جیسے مشین گن، آٹو میٹک میزائل فائر کرنے والے لانچر اور اینٹی ٹینک اسلحہ نصب ہوتا ہے۔ ہاموی بکتر بند گاڑی 300 کلو گرام وزن، 4.6 میٹر کی طوالت 2.1 میٹر عرض اور 1.8, میٹر اونچائی رکھتی ہے۔ ہاموی بھی بکتر بند جنگی ذرائع، زخمیوں کی منتقلی اور سرحدی افواج کی منتقلی میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

> اصلا ہاموی بکتر بند گاڑی بنانے والی جنرل کمپنی نے یہ گاڑی اس لیے بنائی تھی کہ اسے ایک دفاعی ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس کے مشین گن اور لانچر کے ذریعے مقابل پر حملے کیے جائیں۔ اس کے ذریعہ میدان جنگ تک فوجیوں کی رسائی کی جا سکی اور یا میدان جنگ سے زخمیوں کی منتقلی کی جائے۔ مگر طالبان ہاموی کے اصل کام کے برخلاف اسے ایک نئی عسکری تیکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں

طالبان کو ہاموی گاڑیاں کہاں سے ملیں؟

ہاموی بکتر بند گاڑی امریکا نے کابل انتظامیہ کو اس لیے دی تھیں کہ طالبان کے خلاف جنگ میں استعمال کی جائیں۔ مگر اب دیکھا جاتا ہے کہ ملک کے مختلف حصوں میں ہاموی گاڑیاں طالبان کی جانب سے امریکا اور ان کے حامیوں کے خلاف استعمال کی جارہی ہیں۔ طالبان نے پہلی بار ہلمند میں بہت سی ہاموی گاڑیاں داخلی فوجیوں سے غنیمت میں حاصل

کیں۔ دوسری بار 2015 میں میں قندوز کی فتح کے دوران دیگر بھاری اور ہلکے اسلحوں کے ساتھ بڑی تعداد میں ہاموی گاڑیاں بھی قبضہ میں لیں۔ اس کے بعد صوبہ بدخشان اور اس سال پکتیا کے ضلع جانی خیل کے سٹریٹجک علاقے پر قبضہ کے دوران کافی تعداد میں ہاموی گاڑیاں حاصل کیں۔

طالبان امریکی ہاموی گاڑیاں کیسے استعمال کرتے ہیں؟

اصلا ہاموی بکتر بند گاڑی بنانے والی جنرل کمپنی نے یہ گاڑی اس لیے بنائی تھی کہ اسے ایک دفاعی ذریعہ کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس کے مشین گن اور لانچر کے ذریعے مقابل پر حملے کیے جائیں۔ اس کے ذریعہ میدان جنگ تک فوجیوں کی رسائی کی جاسکی اور یا میدان جنگ سے زخمیوں کی منتقلی کی جائے۔ مگر طالبان ہاموی کے اصل کام کے برخلاف اسے ایک نئی عسکری تیکنیک کے طور پر استعمال کرتے ہیں جس میں سب سے پہلے یہ گاڑی خود تباہ ہوتی ہے اور اس کی تباہی سے دشمن کو بھاری جانی ومالی نقصان پہنچتا ہے اس نئی تیکنیک میں طالبان ہاموی کے استعمال سے دشمن کو غفلت میں ڈالتے ہیں۔ دوم اس تیکنیک سے حملہ آور اپنے ہدف تک پوری حفاظت سے پہنچتا ہے اور سوم عام گاڑیوں کی بنسبت ہاموی کا بھاری وزن بڑی تباہی کر کے دشمن کو بڑی تباہی سے دوچار کرتا ہے۔

ہاموی گاڑیوں سے کیے گئے حملے:

طالبان نے گذشتہ سال 21 اکتوبر کو پہلی بار ہلمند ضلع نادہ کے پولیس ہیڈکوارٹر پر ہاموی گاڑی کے ذریعے فدائی حملہ کیا جس کی عکاسی ڈرون کیمرے کے ذریعے کی گئی۔

ہاموی کے ذریعے فدائی اور ڈرون کے ذریعے ویڈیو بنوانا بیرونی اور داخلی فوجیوں کے خلاف طالبان کی عسکری فعالیت میں ایسی پیش رفت تھی جس نے عالمی اور داخلی میڈیا پر بڑے پیمانے پر شہرت پائی۔

اس کے بعد ہلمند میں ہاموی گاڑی کے ذریعے مزید حملے ہوئے جس نے دشمن کو ہلاکت خیز نقصانات پہنچائے۔ مگر رواں مہینے میں طالبان نے ہاموی کے ذریعے درجہ ذیل کارروائیاں کیں جس نے کابل انتظامیہ کو شدید رسوائی کا شکار کردیا۔ اور ان کے سینکڑوں فوجی اس میں ہلاک ہوگئے۔

1۔ قندہار ضلع میوند ملی اردو کے فوجی مرکز پر حملہ جس میں تقریبا 60 فوجی ہلاک ہوگئے۔

2۔ غزنی ضلع انڈر کے مرکز پر حملہ جس میں 40 فوجی ہلاک ہوگئے۔

3۔ گردیز شہر میں پولیس ہیڈکوارٹر اور پولیس اکیڈمی پر حملہ جس میں آئی جی سمیت 110 حکومتی اہلکار ہلاک وزخمی ہوگئے۔

4۔ اسی طرح رواں سال کے آغاز میں صوبہ بلخ کی فوجی چھاونی پر حکومتی رینجر گاڑیوں کے ذریعے حملہ ہوا جس میں 500 اہلکار ہلاک ہوگئے۔

کردستان ریفرنڈم: عراق کی تقسیم کا پہلا قدم

شہید زوی

ترکی، ایران، شام، عراق اور مقبوضہ فلسطین جن راستوں کے ذریعے ایک دوسرے سے منسلک ہوتے ہیں اس قریبی علاقوں میں جہاں عالمی اداروں کی جانب سے کیے گئے سروے کے مطابق 50 ملین کرد رہتے ہیں کردستان کہاجاتا ہے۔ 50 ملین کردوں کے پاس اپنا کوئی ملک نہیں ہے بلکہ یہ لوگ انہیں پانچ ملکوں میں تقسیم ہیں۔ ترکی میں ان کی تعداد 15 سے 20 ملین تک ہے۔ ایران میں ان کی تعداد 13 ملین تک ہے، عراق میں 8 ملین اور شام میں ان کی تعداد 3 ملین ہے۔

ان چار ممالک کے علاوہ مقبوضہ فلسطین میں اور ارمنستان میں بھی بہت سے کرد رہتے ہیں اور ایک بڑی تعداد ان خطوں سے دیگر ممالک کو بھی نقل مکانی کر چکی ہے۔ عالمی اداروں کی جانب سے شائع ہونے والے اعداد وشمار کے مطابق ان نقل مکانی کرنے والوں کی تعداد 10 ملین ہے۔

صرف جرمنی میں ترکی سے گئے ہوئے کردوں کی تعداد ایک ملین ہے۔ جرمنی میں ان کردوں کی موجودگی ہی ترکی اور جرمنی کے درمیان اختلاف کا باعث ہے۔ جرمنی انہیں کرد قرار دیتا ہے اور ترکی کا مطالبہ ہے کہ انہیں کرد نہیں ترک کہا جائے۔

خلافت عثمانیہ کے دور میں کردوں کے اس علاقے کو کردستان کہاجاتا تھا اور یہ خلافت کے صوبوں میں سے ایک بڑا صوبہ تھا۔ 1915 اور 1918 میں کردوں نے خلافت عثمانیہ سے آزادی حاصل کرنے اور آزاد کردستان کے قیام کے لیے کوششیں کی تھیں مگر عثمانی خلافت نے انہیں کامیاب نہیں ہونے دیا۔ 1920 میں سیور کے بدنام زمانہ معاہدے میں آزاد کردستان کی رائے بھی سامنے آئی مگر ترکی کے ساتھ ساتھ فرانس اور برطانیہ نے بھی اس کی مخالفت کی تھی۔ عثمانی خلافت کا سقوط کردوں کے لیے بہت بڑی خوشی کی خبر تھی۔ انہیں پوری امید تھی کہ اس خلافت کے سقوط کے نتیجے میں آزاد کردستان کا قیام ہوگا۔ مگر کردوں کی امید پوری نہ ہوئی۔ مشرق وسطی ترکوں کے ہاتھ سے نکل گیا۔ ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا اور چھوٹے چھوٹے ممالک قائم ہوگئے مگر کردستان کے نام سے کوئی ملک قائم نہ ہوسکا۔ کردوں کا یہ علاقہ ترکی، عراق، شام اور ایران کے درمیان تقسیم ہوگیا اور جیسا کہ پہلے ہم کہہ چکے ہیں ان تمام ممالک میں ان کی تعداد ملینوں میں ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ لبنان، ارمنستان، کویت اور یورپی ممالک سمیت دنیا کے دیگر ممالک میں بھی 10 ملین سے زیادہ کرد رہتے ہیں۔ عراق، ترکی، شام اور ایران تقسیم شدہ تمام کردوں کی اکثریت سنی مسلمان ہیں جبکہ کچھ تعداد شیعہ اور دیگر مذاہب سے بھی تعلق رکھتی ہے۔

کرد دوہزار سالہ پرانا تاریخ رکھتے ہیں اور مشرق وسطی کے اصل باشندے ہیں۔ مشرق وسطی کے تمام اقوام میں کرد قوم سب سے بڑی وہ قوم ہے جس کے پاس اپنا کوئی باقاعدہ ملک نہیں ہے۔ صرف عراق میں کردستان کے نام پر ایک ریاست اور ایران میں کردستان کے نام سے ایک صوبہ ہے۔

چونکہ کردوں کی اکثریت سنی ہے اس لیے ایران میں ان کے لئے دیگر سنیوں کی طرح مشکلات ہیں مگر عراق، ترکی اور شام میں ان کی زندگی بہت اچھی تھی۔ سول سوسائٹی کے تمام حقوق انہیں حاصل ہیں اور عمومی طور پر مذکورہ حکومتوں کی جانب سے کوئی خاص ناروا سلوک بھی نہیں کیا جاتا جو مذکورہ ممالک کے خلاف بغاوت کا معقول سبب بن سکے۔ آزاد کردستان کے قیام کی اصل وجہ عالمی استعمار خصوصا اسرائیل اور امریکا کی پس پردہ کوششیں ہیں۔ 1923 میں kingdom of Kurdistan کے نام سے ترکی، عراق، ایران اور شام کے درمیان آزاد کردستان کے قیام کے لیے ایک نقشہ پیش کیا گیا کیوں کہ فلسطین میں اسرائیلی حکومت کے قیام سے قبل کردستان کا قیام مغرب اور امریکا نے ضروری سمجھا مگر مسلسل دوبڑی جنگوں میں مصروفیت کے باعث یہ منصوبہ عملی طور پر نافذ نہ ہوسکا اور بعد کے ادوار میں جب مغرب نے کوششیں کیں تو ترکی، عراق، ایران اور شام چاروں ممالک نے اس کے خلاف شدید رد عمل دکھایا اور یہ منصوبہ کامیابی

سے ہم کنار نہ ہو سکا۔ مگر عالمی استعماری قوتوں نے Greeter Kurdistan عظیم تر کردستان کی اصطلاح زندہ رکھی ہے۔ اسی اصطلاح کو زندہ رکھا اور بار بار دہرانا چاروں ممالک میں کردوں کی بغاوت کا بڑا سبب ہے۔ ان بغاوتوں کے سلسلے میں طویل جنگیں ہوئی ہیں جس میں جنگ کے دونوں فریقین خصوصاً کردوں کو بڑی تعداد میں جانی نقصان ہوا ہے مگر کوئی قابل ذکر نتیجہ حاصل نہیں کر سکے۔

شمالی عراق میں مسعود بارزانی کے والد مصطفی بارزانی کی قیادت میں 1920 میں کردوں نے خود مختاری اور عراق سے علیحدگی کے لیے تحریک کا آغاز کیا جو 1970 تک جاری رہی۔ اس طویل مزاحمت کے نتیجے میں 11 مارچ 1970 کو عراق کے شمال میں 3 صوبوں (اربیل، سلیمانیہ اور دھوک) میں کرد شہریوں کی نیم خود مختاری تسلیم کر لی گئی۔ یہ تینوں کرد صوبے کردستان صوبہ کہلائے جاتے ہیں جہاں کردوں نے ریاستی نیم آزاد حکومت قائم کی مگر عراق کی مرکزی حکومت اور کردوں کی نیم آزاد حکومت کے درمیان حالات کشیدہ رہے۔ 1970 سے 1974 تک مرکزی حکومت اور کردوں کے درمیان کئی بار جنگیں ہوئیں جس میں امریکا اور اسرائیل نے ایران کے ذریعے کردوں کو بہت سارا اسلحہ بھی دیا۔ ایران میں اس وقت رضا شاہ پہلوی کی حکومت تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز میں صدام حسین حکومت نے کردوں کی مرکزی حکومت کو اپنا تابع فرمان رکھنے اور ان کی نیم خود مختاری کے خاتمے کے لیے فوجیں بھیجیں۔ جنگیں شروع ہو گئیں جو 1988 تک جاری رہیں اور دعووں کے مطابق 1988 میں صدام حسین نے کردوں کے خلاف زہریلے گیس کا استعمال کیا۔ جس میں ہزاروں کرد ہلاک ہو گئے۔ کہا جاتا ہے کہ حکومت کے خلاف کردوں کی بغاوت اور پھر حکومت کی جانب سے ان پر حملوں کے نتیجے میں دونوں فریقوں کے 2 لاکھ افراد ہلاک ہوئے۔

1991 میں جب عراق پر امریکی جارحیت کے موقع پر صدام حسین نے اپنی فوجیں کردستان سرحد سے پیچھے ہٹالیں بلکہ مرکزی حکومت کی جانب سے کردستان ریاست کو درپیش خطرات کا بھی خاتمہ ہو گیا، اور اس سے بڑھ کر اقوام متحدہ کی موجودگی میں یہ تسلیم کیا گیا کہ کردستان انتظامیہ کو تیل کے ذریعے حاصل ہونے والی رقم میں سے 17 فیصد دیا جائے گا۔ کرد اس نظام پر راضی تھے اور 2003 تک بات اسی طرح چلتی رہی۔ 2003 میں عراق پر امریکی جارحیت اور قبضے کے نتیجے میں صدام حسین کی حکومت کے خاتمے کے بعد عراق پر کٹھ پتلی حکومت مسلط ہو گئی۔ اس لیے کردستان نے عارضی طور پر اس شرط پر عراق سے انضمام تسلیم کر لیا کہ تیل سے حاصل ہونے والی رقم میں سے معلوم رقم دی جائے گی۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکزی حکومت نے قانونی نیم خود مختاری اور سرحدات کے تعین کے لیے مذاکرات بھی جاری رکھے۔ جس کے نتیجے میں عراق کی کٹھ پتلی انتظامیہ نے امریکا کے حکم پر مطالبہ تسلیم کر لیا۔ 2005 میں عراق کے آئین میں تبدیلی کی گئی اور کردستان صوبے کو خود مختار بنانے اور حکومت کے قیام کی اجازت دے دی گئی۔

کردوں نے گذشتہ 14 سالوں میں اپنی سرحدوں کو بہت وسعت دی اور کرکوک کا وہ صوبہ بھی کردستان کا حصہ بنا دیا جو تیل سے بھرا ہوا ہے۔ حالانکہ یہ کردستان کا حصہ نہیں تھا۔ اس کے اکثر شہری عرب اور دوسری اقوام کے تھے۔ کردستان انتظامیہ نے کردستان اور کرکوک کے تیل کی برآمد بڑھا دی اور ترکی کے ذریعے بحیرہ روم تک ہر دن 6 کروڑ بیرل تیل پہنچایا۔ جس کے ذریعے اقتصادی سرچشموں تک رسائی کے ساتھ ساتھ دنیا کی توجہ بھی اپنی جانب مبذول کرائی جس کی وجہ سے مغربی دنیا میں ان کی مقبولیت اور بھی بڑھ گئی۔ کردوں کی یہ حکومت دنیا میں K.R.G کردستان ریجنل گورنمنٹ کے نام سے جانی جاتی ہے جس کی سربراہی مسعود بارزانی کرتے ہیں۔

اونچے پہاڑوں، جنگلوں، جھیلوں، دریاؤں، پانیوں اور زیر زمین میٹھے پانی کے ذخائر کے ساتھ ساتھ یہ علاقہ تیل اور گیس کے ذخائر بھی رکھتا ہے۔ عالمی اداروں کی جانب سے نشر ہونے والی رپورٹوں کے مطابق یہاں 45 بلین بیرل سے زیادہ تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ یعنی یہ دنیا کا وہ چھوٹا علاقہ ہے جو تیل کے بڑے ذخائر رکھتا ہے۔ کردستان حکومت کا کہنا ہے کہ یہاں بہت سے مقامات پر گیس اور تیل کے ذخائر موجود ہیں۔ باوجود اس کے کہ یہاں گیس اور تیل کے بڑے ذخائر موجود ہیں مگر علاقے میں امن وامان نافذ نہیں ہے۔ اس لیے یہ علاقہ عالمی توجہ کا مرکز نہیں بن سکا اور ویسی ہی سرمایہ کاری نہیں کی جس طرح چاہیے تھی۔

مسعود بارزانی تیل، گیس اور دیگر ذخائر سے بھرے اس علاقہ کو اب حکومت عراق سے مکمل طور پر الگ کرنا چاہتا ہے جس کے لیے 25 ستمبر 2017 کو کردستان اور کرکوک میں ریفرنڈم کرایا گیا۔ ریفرنڈم کے لیے رجسٹرڈ افراد کی تعداد 53 لاکھ تھی۔ رائے دہی کے لیے 12072 مراکز بنائے گئے جس میں حکومت کے مطابق اکثریت یعنی 76 فیصد افراد نے خود مختاری کے حق میں رائے دی۔ کردستان ریاست کے سربراہ مسعود بارزانی نے کہا ہے کہ ریفرنڈم کا مقصد کبھی بھی یہ نہیں تھا کہ ہم فوراً عراق سے علیحدگی لینے اور خود کو الگ کرنے کا اعلان

کریں گے بلکہ اس کے بعد بغداد کے ساتھ مذاکرات کا سلسلہ جاری رہے گا جو شاید ڈیڑھ سے دو سال تک جاری رہے۔

ریفرنڈم سے قبل یورپی یونین نے مسعود بارزانی کو ریفرنڈم موخر کرنے کا حکم دیا تھا اور دھمکی دی تھی کہ اگر ریفرنڈم موخر نہیں کیا تو اتحاد اس پر اقتصادی پابندی لگادے گا۔ امریکا نے بھی بظاہر اس ریفرنڈم کی مخالفت کا اظہار کیا ہے اور کہا ہے کہ داعش کو شکست دینے اور عراق میں جہادی گروپوں کے خاتمے کے لیے امریکا عراق کا اتحاد ضروری سمجھتا ہے۔ ہمیں امید ہے کہ عراق سے علیحدگی کی بجائے کردی رہنما اپنی توجہ جہادیوں کے خلاف جنگ اور ایران کا اثر ورسوخ کم کرنے کی جانب دے گا۔

اقوام متحدہ نے بھی اس حوالے سے اپنا اندیشہ ظاہر کیا ہے اور اس ادارے کے سربراہ انتونیو گونیریس نے کہا ہے کہ وہ کردستان کے حالیہ ریفرنڈم کے حوالے سے شدید خدشات کا شکار ہیں کیوں کہ اس کے ساتھ خطے میں شدید بدامنی پیدا کرنے کا خطرہ سامنے آیا ہے۔

دوسری جانب کردستان کے پڑوسیوں ترکی، ایران، شام اور خود عراق میں بھی اس ریفرنڈم کی مخالفت سامنے آئی ہے۔ اور اس کے ساتھ خطرناک عملی قدم بھی اٹھائے ہیں۔ ترکی اور عراق کی مرکزی حکومتیں کردستان کے ساتھ ممکنہ جنگ کی تیاری کے لیے اپنی فوجیں کردستان کی سرحدوں تک بھیج رہی ہیں اور دونوں نے فوجی جنگی مشقیں شروع کر رکھی ہیں۔

ریفرنڈم سے دستبردار ہونے کے لیے کردستان سے ہونے والے مذاکرات کی ناکامی کے بعد ایران نے بھی کردستان سے فضائی اور زمینی رابطے منقطع کر دیے ہیں۔ اور ایران کے پاسداران انقلاب نے کردستان کے سرحدوں تک بڑی تعداد میں اسلحہ پہنچایا ہے اور یہیں پر فوجی مشقیں شروع کر رکھی ہیں۔

باوجود اس کے کہ شام نے کوئی عملی اقدام نہیں کیا مگر شدید الفاظ میں اس ریفرنڈم کی مخالفت کی ہے اور کہا ہے کہ اس کے ساتھ شام کی سرحد شدید خطرات کا شکار ہو جائے گی اس لیے یہ ریفرنڈم شام کے لیے قابل قبول نہیں ہے۔

دوسرے پڑوسی ملک ترکی نے تو شدید تحفظات اور ناراضگی کا اظہار کیا ہے۔

سچی بات یہ ہے کہ ترکی کے خدشات بجا ہیں۔ ترکی کی 20 فیصد آبادی کردوں پر مشتمل ہے۔ ترکی کے کرد ترکی سے آزادی اور الگ ملک اور حکومت کا قیام چاہتے ہیں۔ کردوں کی علیحدگی پسند تنظیم P.K.K نے ترکی سے اپنی آزادی حاصل کرنے کے لیے طویل مسلح جنگ لڑی اور اس سلسلے میں بہت سے کردوں نے اپنی جانیں دیں۔ اس کے مقابلے میں ترکی کے بھی بہت سے فوجی ہلاک ہو گئے۔ باوجود اس کے کہ کردوں نے حاصل کچھ بھی نہیں کیا مگر اپنی مسلح جنگ نہیں چھوڑی اور اب بھی ترکی کے لیے بڑا دردسر ہیں۔ ترکی جانتا ہے کہ عراق میں کردوں کی خودمختار حکومت کے قیام کی صورت میں ترکی کے کردوں کی آزادی کا موقف مضبوط ہو سکتا ہے اس لیے ترک صدر طیب اردگان نے اس ریفرنڈم کو روکنے کے لیے بہت کوششیں کیں اور اس کے ساتھ ریفرنڈم ہو جانے کی صورت میں کردستان انتظامیہ کو دھمکی بھی دی۔

ریفرنڈم کے دوروز بعد ترکی کے صدر طیب اردگان نے کہا:

آخری لمحے تک امید تھی کہ کرد سربراہ مسعود بارزانی اس ریفرنڈم کو منسوخ کر دیں گے۔ مشاورت کے بغیر ہونے والا یہ ریفرنڈم بہت بڑا دھوکہ ہے۔ بارزانی نے اس غلطی کا ازالہ نہیں کیا تو تاریخ میں ان کا نام ان لوگوں میں لکھا جائے گا جن کی وجہ سے خطہ قومی اور فرقہ وارانہ فساد کا شکار ہے۔ اگر ہم تیل کے پائپ لائن بند کر دیں کردستان کی برآمد بند ہو جائے گی۔ اگر ہم عراق سے ترکی آنے والے ٹرکوں کا راستہ روک دیں تو کردوں کو کھانے کو کچھ نہیں ملے گا۔

> عرب دنیا کے اکثر تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ عالمی تنظیمیں، پڑوسی ممالک اور خود عراق کی شدید مخالفت میں کردستان کے لیے مکمل آزادی کا حصول بہت مشکل امر ہے مگر بالفرض اگر یہ حاصل بھی کرلیا جائے تو عراق کی تقسیم اور تیل وگیس کے بھرے ایک خطے سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ عراق کے لئے بہت بڑا نقصان ہوگا مگر یہ کردستان کے لیے بھی مفید ثابت نہیں ہوگا۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ 2017 میں صرف ابتدائی مہینوں میں ترکی اور کردستان کے درمیان تجارتی حجم 5 ارب ڈالر تک پہنچ گیا تھا۔ ترکی کے راستے بحیرہ روم تک ہر روز 6 کروڑ بیرل تیل پہنچتا ہے وہ اس کے علاوہ ہے۔ ریفرنڈم کے بعد عراق میں خانہ جنگی کا بہت بڑا خطرہ سامنے آیا ہے۔ عرب تجزیہ کار کہتے ہیں کہ پیش مرگہ کے نام سے کردستان ملیشیا جس کی مدد کے لیے P.K.K بھی مدد کو آیا ہے۔ عراقی فوج کے ساتھ جنگ کا شدید خطرہ سامنے آیا ہے۔ اسی طرح ریفرنڈم نے

عوامی لوگوں کے درمیان بہت سی مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ ریفرنڈم میں کرکوک اور سلیمانیہ کے صوبے شامل کرنے کے لیے عربوں، ترکوں اور کردوں کے درمیان شدید کشیدگی سامنے آئی ہے۔ ان دونوں صوبوں میں مذکورہ قوموں کے درمیان خونریز جنگ کا خطرہ سامنے آیا ہے۔ یہ دونوں مخلوطی علاقے ہیں جہاں عرب کرد اور ترکمن اقوام رہتے ہیں۔ عرب اور ترکمن کبھی بھی کردستان کے ساتھ ان خطوں کو ملانے کو تیار نہیں ہیں۔

اہم بات یہ ہے کہ ان دونوں صوبوں کی حیثیت پوری طرح واضح نہیں ہے۔ کردستان انتظامیہ اسے کردستان کا حصہ سمجھتی ہے مگر عراق کی مرکزی حکومت یہ تسلیم نہیں کرتی کہ کردستان ریاست کا حصہ ہے۔ اسی اصول کی وجہ ہے کہ کردستان ریاست متنازع ہے۔ اس کے سرحدوں کا تعین اب تک نہیں ہوا ہے۔ 11 مارچ 1970 میں جب کردستان کو آزادی دی گئی اس وقت اس کا رقبہ 37 ہزار کلومیٹر تھا مگر 2003 میں عراق پر امریکی جارحیت کے بعد کردوں نے 3 ہزار کلومیٹر عرب علاقوں پر قبضہ کرلیا اور 2005 میں دوبارہ آزادی لینے کے وقت یہ خطے اپنی طرف سے کردستان کا حصہ بنادیے گئے حالانکہ یہ مرکزی صوبوں نینوی، اربیل، کرکوک، دیالہ اور واسط کا حصہ ہیں۔

عرب دنیا کے اکثر تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ عالمی تنظیمیں، پڑوسی ممالک اور خود عراق کی شدید مخالفت میں کردستان کے لیے مکمل آزادی کا حصول بہت مشکل امر ہے مگر بالفرض اگر یہ حاصل بھی کرلیا جائے تو عراق کی تقسیم اور تیل و گیس کے بھرے ایک خطے سے محروم ہونے کی وجہ سے یہ عراق کے لئے بہت بڑا نقصان ہوگا مگر یہ کردستان کے لیے بھی مفید ثابت نہیں ہوگا۔

یہ صوبہ پہلے ہی سے شدید مقروض ہے۔ رشوت، قومی ذخائر کی لوٹ مار اور انتظامی کرپشن عروج کو پہنچ چکا ہے۔ حکومتی آمدنی کے صرف دو ذرائع ہیں۔ تیل اور سیاحت۔ خود مختاری حاصل کرنے کی صورت میں جب پڑوسی ممالک نے دائمی بائیکاٹ کا فیصلہ کیا ہے تو سیاحت بالکل رک جانے کا قوی امکان ہے اور جہاں تک تیل کی بات ہے تو صرف ترکی وہ ملک ہے جہاں سے یورپین مارکیٹ تک پائپ لائن پہنچتا ہے اور ترکی نے اعلان کیا ہے کہ کردستان کی آزادی کے حصول کی صورت میں فوراً یہ لائن بند کردے گا۔

مگر مختصر ایہ کہ دنیا میں کسی نے بھی کردستان ریفرنڈم کی حمایت نہیں کی۔ پڑوسی ممالک سمیت بہت سے ممالک نے اس کی مخالفت کی۔ یہاں تک کہ امریکا نے بھی بظاہر اس کی مخالفت کی جس کا وہ خفیہ طور پر حامی ہے۔ اور پہلے ہی سے کرد، شیعہ اور سنی آبادی کے علاقوں کی تقسیم کا منصوبہ بنا چکا ہے۔

مگر صرف غاصب اسرائیلی حکومت دنیا میں وہ حکومت ہے جس نے ریفرنڈم کی مضبوط حمایت کی۔ کردستان حکومت کو ہر طرح کی حمایت کا یقین دلایا ہے اور 25 ستمبر کو اسرائیلی صحافی کردستان پہنچا تا کہ لحہ بہ لحہ ریفرنڈم کی خبریں رپورٹ کرسکے۔ اس لیے ریفرنڈم کے دوران کردوں نے اپنے پرچموں کے ساتھ اسرائیلی پرچم بھی اٹھائے ہوئے تھے۔

ناروے میں کردوں کی جانب سے اس ریفرنڈم کی حمایت میں نکالی گئی ریلی میں بھی کرد مظاہرین نے اپنے پرچموں کے ساتھ اسرائیلی پرچم بلند کیے تھے۔

اب سوال یہ ہے اسرائیل کیوں آزاد کردستان کی حمایت کرتا ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس کے مختلف عوامل ہیں۔ پہلا سبب تو یہ ہے کہ اسرائیل کے وجود کی طرح استعماری قوتوں نے مشرق وسطی میں اسرائیل کے حامی ملک کا وجود ضروری سمجھا اور وہ کردستان کے علاوہ کوئی اور ملک نظر نہیں آیا۔ اس لیے 1950 میں اسرائیل نے مسعود بارزانی کے والد مصطفی بارزانی کی حمایت کی تھی جب انہوں نے کردستان کی آزادی کا مطالبہ کیا تھا۔

دوسری بات یہ کہ اسرائیل اور امریکا یہ جانتے ہیں کہ کردستان ایک کمزور ملک ہوگا جو تیل، گیس اور دیگر اشیاء کے ذخائر پر ان کا قبضہ انتہائی آسانی سے ہوگا۔

دوسری بات یہ کہ اس طریقے مسلمانوں کا ایک اہم ترین ملک عراق تقسیم ہو جائے گا۔ ترکی، شام، ایران جیسے اہم اسلامی ممالک بھی تقسیم کے خطرات سے دوچار ہو جائیں گے۔ عراق میں آزاد کردستان کے قیام کے بعد مذکورہ ممالک میں آزاد کردستان کا مطالبہ زور پکڑے گا جس سے شاید ان ممالک میں خانہ جنگی زور پکڑے۔

پھر بات مذکورہ ممالک تک محدود نہیں رہے گی بلکہ اسلامی دنیا کے بہت سے دیگر ممالک میں بھی نسلی اور لسانی بنیادوں پر آزادی پسند مطالبات سامنے آنے لگیں گے۔ اور بہت سے اسلامی ممالک تقسیم کا شکار ہو جائیں گے۔

لاس ویگاس کا ملزم خالص عیسائی تھا

خبیر احمد

2 اکتوبر کو ایک 62 سالہ امریکی جوے باز اور ملینر اسٹیفن پیڈک نے امریکی شہر لاس ویگاس میں موسیقی کی ایک محفل پر مسلح حملہ کیا۔ جس میں 60 امریکی فوجی اور 530 شہری ہلاک ہوگئے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ حملہ آور موسیقی گراؤنڈ کے قریب ایک عمارت کی 32ویں منزل پر تھا، جہاں اس نے محفل سے پہلے ایک ہفتے کے دوران بڑی تعداد میں رائفلیں اور گولیاں جمع کرلی تھیں۔ امریکی میڈیا کی رپورٹ کے مطابق پیڈک نے اپنے کمرے کی کھڑکی سے کنسرٹ کے شرکاء پر 72 منٹ تک فائرنگ جاری رکھی۔ اور 800 گولیاں فائر کیں۔ اکثر گولیاں ہدف پر لگیں۔ آخر میں خود پیڈک نے پولیس کے ہاتھ لگنے کے خوف سے خود کو ہلاک کر لیا۔ اس واقعے پر داعش نے عجلت اور جلدبازی میں اعلان کر دیا کہ 'حملہ آور ان کے گروپ کا ایک آدمی تھا اور ایک ماہ قبل جوے اور دیگر غلط امور سے توبہ تائب ہو کر داعش کی دعوت پر اسلام میں داخل ہوا تھا۔' جب کہ دوسری طرف امریکی تحقیقاتی ادارے ایف بی آئی نے واضح کیا کہ انہیں کوئی بھی ایسا ثبوت نہیں ملا، جس سے حملہ آور اور داعش کے درمیان روابط کا تعلق ثابت ہو سکے۔ امریکی میڈیا نے بیک آواز یہ بات اٹھائی کہ لاس ویگاس کے واقعے سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس وضاحت کے ساتھ ہی امریکی سیاست دانوں اور میڈیا نے کوششیں شروع کر دیں کہ اس موضوع کو زیادہ نہ چھیڑا جائے۔ سب کی زبانوں پر یہ ہی بات تھی کہ لاس ویگاس حملے سے مسلمانوں کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اس لیے خود اپنے ہاتھوں سے اس واقعے کو سیاسی نہ بنایا جائے، بلکہ خاموشی اختیار کی جائے۔

ایک امریکی مصنف ٹامس فریڈمین نے نیویارک ٹائمز میں لاس ویگاس کے واقعے کو دیکھتے ہوئے دل چسپ بات کہی ہے۔ انہوں نے کہا ہے: 'اگر اسٹیفن پیڈک مسلمان ہوتا۔ اگر اس نے حملے سے قبل اللہ اکبر کا نعرہ لگایا ہوتا۔ اگر پیڈک کے ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے میں ہتھیار ہوتا... اگر یہ ساری نسبتیں سامنے آئی ہوتیں تو تب کوئی سیاست دان اور امریکی میڈیا کبھی بھی یہ نہ کہتا کہ اس واقعے کو سیاسی رنگ دے اور اسے زیادہ اہم نہ سمجھا جائے۔ ہمارے صدر امریکی پارلیمنٹ کے دونوں اجلاسوں کے بیان پر سخت الفاظ استعمال کرتے۔ واقعے کو 11 ستمبر سے کبھی بھی کم نہ کہا جاتا۔ مسلمانوں کے خلاف نئی سازشیں بنانے اور انتقام لینے کے لیے بہت سی قرار دادیں منظور کی جاتیں۔ ہٹ دھرم امریکی صدر ضرور کچھ مسلم ممالک کے خلاف پابندیاں لگاتے، حتیٰ کہ حملوں تک کی دھمکی دے دیتے۔ البتہ جب امریکی سمجھ گئے کہ حملہ آور مکمل امریکی اور خالص کافر ہے اور جتنی گولیاں وہ 32ویں منزل تک لے گیا تھا، وہ سب قانونی ثبوتوں کے ساتھ تھا تو اس عمل پر ہمیں شدید دھچکا لگا ہے۔ کیوں کہ ہم نے سوچا تھا کہ اس طرح کا حملہ مسلمانوں کے علاوہ کوئی بھی نہیں کر سکتا۔ ایسی صورت میں مسلمانوں کے خلاف شدید مذمتی گفتگو اور عملی اقدام کرنے کے لیے پوری تیار کر لی جاتی۔ اسی طرح ٹرمپ انتظامیہ کو بھی ایک اچھا بہانہ ہاتھ آ جاتا، جس کی بنیاد پر وہ امریکا کے اندر اور باہر مسلمانوں کے خلاف اقدامات کرتے۔ مگر ایسا نہیں ہو سکا۔ کیوں کہ ملزم امریکی اور نصرانی نکلا۔

اس کے برعکس امریکا اور مغرب کے مسلمانوں کو یہ موقع ملا ہے کہ وہ امریکا کی مکروہ مذہبی عزائم کی سنگینی کو سمجھیں۔ اور امریکا سے نیک امیدیں وابستہ کرنے کے بجائے حقیقت کو خود اپنی آنکھوں سے دیکھیں اور حق والوں کی صف کے ساتھی بنیں۔

بلیک ہاک طیارے

شاہد غزنیوال

رواں سال کٹھ پتلی کابل انتظامیہ کے کاسہ لیس سربراہ قندھار گئے۔ وہاں امریکی آقاؤں کے ساتھ ملاقات کر کے چار بلیک ہاک طیارے وصول کیے۔ امریکی کمپنی 'سیکورسکائی' کا بنایا گیا یو ایچ 60 بلیک ہاک طیارے میں دو مشینیں اور دو فوجی طیارے ہوتے ہیں۔ یہ طیارے 1974 میں بنائے گئے تھے۔ یہ 1979 میں امریکی فضائیہ میں شامل کیے گئے تھے۔ مذکورہ طیارے جب پہلی مرتبہ 2600 کی تعداد میں بنائے گئے تو امریکا کی جانب سے سعودی عرب اور دیگر ممالک کو بھی دیے گئے تھے۔ بلیک ہاک طیارے اگرچہ جنگی فضائیہ میں شامل کیے گئے ہیں، لیکن بسا اوقات اس سے فوجیوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کا کام بھی لیا جاتا ہے۔

بلیک ہاک صرف ایک مشین کا حامل ہے۔ اس میں امریکی اپاچی ہیلی کاپٹر کی طرح فائرنگ کا سسٹم نصب ہے اور نہ ہی اُس جیسی پرواز کر سکتا ہے۔ ایک بلیک ہاک طیارے کی قیمت 8 ملین ڈالر ہے۔ امریکا کا منصوبہ ہے کہ وہ 2024 تک 159 طیارے کابل انتظامیہ کے حوالے کر دے۔ امریکی جارحیت کے سولہ سال پورے ہونے پر یہ طیارے کابل انتظامیہ کو دیے گئے ہیں۔ امریکا نے بلیک ہاک طیارے قندھار ائیرپورٹ پر افغان حکام کے حوالے کیے تھے۔ چار زائد المیعاد طیاروں کی حوالگی کے لیے کابل سے اشرف غنی کو بلایا گیا۔ امریکا یہ طیارے قندھار کے بجائے کابل یا بگرام ائیر بیس پر بھی حوالے کر سکتا تھا، لیکن قندھار ائیرپورٹ پر حوالہ کرنے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ 7 اکتوبر کی جارحیت کی سولہ سالہ تاریخ کو تازہ کرنا چاہتا تھا، تاکہ اشرف غنی جیسا اعلیٰ سطحی فرد اسے تسلیم کرے۔

سوال یہ ہے کہ گزشتہ سولہ سالوں کے دوران امریکی و اتحادی افواج کی حمایت و تعاون کے ساتھ بی باون جیسے جدید طیارے بھی افغانستان میں جاری جنگ کو کنٹرول نہیں کر سکے تو بلیک ہاک جیسے زائد المیعاد طیارے کیا کر سکیں گے؟ درحقیقت امریکا افغانستان میں جنگ کو کنٹرول کرنے کے لیے آیا ہے اور نہ ہی ٹرمپ نے اپنی پالیسی جنگ کو کنٹرول کرنے کے لیے کوئی آپشن رکھا ہے۔ بلیک ہاک وہ زائد المیعاد طیارے ہیں، جو امریکا کی جانب سے افغانستان کو دیے جانے والے ہیں، لیکن یہ معلوم نہیں کہ یہ طیارے کب دیے جائیں گے؟ افغانستان کے عسکری حکام کے مطابق افغانستان کے پائلٹس میں بلیک ہاک اڑانے کی اہلیت ہے اور نہ ہی افغانستان میں طیاروں کی مرمت کے لیے پورے افغانستان میں کوئی ورکشاپ ہے۔ وزارت دفاع کے مطابق پائلٹ صرف روس کے ایم آئی طیارے ہی اڑا سکتے ہیں، جس کا طریقہ کار بلیک ہاک سے مختلف ہے۔ یہی وجہ کہ ان طیاروں کو مختصر وقت میں سیکھنا بھی مشکل ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ بلیک ہاک طیاروں کا حال بھی ان پرانے اور استعمال شدہ جیٹ طیاروں جیسا ہو گا، جو کابل ائیرپورٹ پر کھڑے ہیں۔ جن سے ایک لمحے کے لیے فائدہ نہیں اٹھایا جا سکا۔ اُن میں سے اکثر ڈاکوؤں کی جانب سے کاٹ کر کے کباڑ میں بیچ دیے گئے ہیں۔

امریکا کی جانب سے کابل انتظامیہ کو ہر وقت ایسے طیارے دیے جاتے ہیں، جو امریکا میں استعمال کے بعد ایکسپائر بھی ہو گئے ہوں۔ مذکورہ طیارے 43 سال قبل بنائے گئے تھے۔ امریکا کی جانب سے خوب استعمال کیے گئے ہیں۔ اب ان کی میعاد بھی ختم ہو گئی ہے۔ بعد ازاں افغانستان پر احسانِ عظیم کر کے یہ زائد المیعاد طیارے دیے گئے ہیں۔ عسکری امور کے ماہرین کے مطابق بلیک ہاک کی ایک ایسی جنگ میں کامیابی ناممکن ہے، جس میں بی باون اور ایف سولہ جیسے جدید طیارے بھی ناکام رہے ہیں۔

جیمز میٹس پر خوف ناک حملہ

محمد صارم

افغانستان گزشتہ چند عشروں سے جس نوعیت کے انقلابات میں گھرا ہوا ہے، اگر اس نوعیت کی صورت حال کا سامنا کسی دوسرے ملک کو کرنا پڑتا تو اب تک اس کی کئی یادگاریں قائم ہو چکی ہوتیں۔ اور وہاں کے بہادر اور بڑے لوگوں کے دن منائے جاتے۔ جب کہ افغانستان میں یکے بعد دیگرے جو انقلابات جس شدت کے ساتھ آئے ہیں، ان انقلابات میں بڑے پیمانے پر انسانیت کا جو قتل عام ہوا ہے، اس میں کسی ایک شہید کی نہ تو یادگار منائی گئی اور نہ ہی اس دن کے علاوہ کسی نے اس کا نام لیا۔ جن لوگوں کو شہداء کے خون کی قدر و قیمت معلوم ہے، ان کا قصہ بہر حال الگ ہے۔

مَیں کابل ایئرپورٹ پر کیے گئے حملے کا ذکر کرنا چاہ رہا ہوں، جو ٹرمپ کی اسٹریجی کے اعلان کے بعد رد عمل کے طور پر کیا گیا تھا۔ جب پینٹا گون نے ٹرمپ سے اپنی پالیسی منوالی تو امریکی وزیر دفاع جیمز میٹس خوشی خوشی سے افغانستان تشریف لائے۔ یہ سفر نئی اسٹریجی کی اہمیت اور ان امور کا جائزہ لینے کے سلسلے میں کیا جا رہا تھا، جو ٹرمپ کی طرف سے واضح کیے گئے تھے۔ جب جیمز میٹس کابل ایئرپورٹ پر پہنچے تو مجاہدین نے ان پر حملہ کر دیا۔ امریکی فوج نے جلد ہی جیمز مٹیس کو ایوان صدر پہنچا دیا، جس کی وجہ سے فوج کی تعریف کی گئی۔ جب جیمز میٹس اشرف غنی کے ساتھ مشترکہ پریس کانفرنس کر رہے تھے تو مجاہدین کے ناقابلِ توقع حملے کا خوف ان کے چہرے سے ظاہر ہو رہا تھا۔ خیال کیا جا رہا تھا کہ ایک دو دنوں تک وہ یہیں رہیں گے، لیکن جیسے ہی پریس کانفرنس ختم ہوئی تو وہ جس طیارے میں آئے تھے، اُسی میں واپس لوٹ گئے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ دنیا کی سپر طاقت فوج کے سربراہ ہیں۔ افغانستان پہنچنے کے بعد ان کا شان دار استقبال کیا جائے گا۔ جب کہ یہاں سب سے پہلے جس واقعے نے ان کا استقبال کیا، وہ ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ یہی وجہ ہے کہ جب وہ امریکا پہنچ گئے تو افغانستان کی جنگ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہنے لگے:

'افغانستان کی جنگ نہایت مشکل جنگ ہے۔

یہ الگ بات ہے کہ امریکی وزیر دفاع کی حیثیت سے جیمز مٹیس اور نیٹو سربراہ کی حیثیت سے اسٹولٹم برگ کو ہدف بنانا درست ہے یا نہیں... البتہ اس نوعیت کے حملوں کا تجزیہ کرتے وقت بہت سے پہلوؤں کو مد نظر رکھا جاتا ہے، لیکن سر دست ماضی کا دقتِ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس بات کو سوچنا چاہیے کہ جنگ کے کس فریق کے پاس لڑائی جیتنے کے زیادہ مواقع اور اسباب ہیں؟ جب کہ اب تک کس فریق نے زیادہ کامیابیاں سمیٹی ہیں؟ اس سوال کا جواب تو اب بہت سے امریکی فوجیوں اور نیٹو تک نے واضح کر دیا ہے۔

ایک ایسے اعلیٰ سطحی وفد کے خفیہ سفر کی تاریخ معلوم کر کے ان پر نہایت کامیاب حکمتِ عملی کے ساتھ حملہ آور ہونا مجاہدین کی کامیابی کی بہت بڑی دلیل ہے۔ یہ مجاہدین کا حق ہے کہ وہ خود کو افغانستان میں جاری جنگ کا فاتح قرار دیں۔ مجاہدین نے اب اپنے حملوں کی تکنیک بدل لی ہے۔ انہوں نے ایسے اہداف تک رسائی حاصل کر لی ہے، جن میں ان کی کامیابیوں کے امکانات زیادہ روشن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اشرف غنی حکومت کو بلیک ہاک طیارے دیے جانے کے ردِ عمل میں مجاہدین کی طرف سے کہا گیا ہے کہ 'بلیک ہاک ہیلی کاپٹر بھی رینجر گاڑیوں کی طرح ہمارے ہی کام آئیں گے اور ان سے ہمارے ہی ہاتھ مضبوط ہوں گے!

ٹرمپ کی افغان اسٹریٹیجی ناکام ہے

خالد افغان زوی

کچھ ماہ قبل صدر ڈونلڈ نے افغانستان اور جنوبی ایشیا کے لیے اپنی اسٹریٹیجی کا اعلان کیا۔ ان کی اسٹریٹیجی ایک وسیع پروپیگنڈا پس منظر بھی رکھتی تھی۔ افغان اور عالمی میڈیا نے اس پر کئی دن بحث میں گزار دیے تھے۔ دنیا کے اہم اخبارات اور میڈیا نے اس پر خصوصی تجزیے شائع کیے۔ افغانستان میں جنگ اور امریکا کے عسکری وجود کے حامیوں نے ٹرمپ کی پالیسی کو خوش آئند قرار دیتے ہوئے افغانستان میں دہشت گردی کے خاتمے اور امریکی اہداف کے حصول کا کارآمد نسخہ قرار دیا۔ اب ٹرمپ کی پالیسی کو کافی عرصہ گزر چکا ہے۔ ٹرمپ کی اسٹریٹیجی عملاً کیسے جاری ہے؟ کیا امارت اسلامیہ کو شکست ہوئی ہے؟ کیا امریکا نے کوئی نیک نامی حاصل کی ہے؟ کیا عمومی طور پر افغان جنگ کی حالت بدلی ہے؟

ٹرمپ کی پالیسی کا جائزہ لینے کے لیے چند عنوانات سے اس پر بات کرتے ہیں:

جنگ کی حالت

ٹرمپ نے کہا تھا کہ نئی اسٹریٹیجی کے ساتھ افغانستان میں جنگ کی حالات بالکل دوسرے رخ پر مڑ جائے گی۔ امارت اسلامیہ کا خاتمہ ہو جائے گا اور افغان انتظام مکمل طور پر اشرف غنی کے ہاتھ آجائے گا۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ جنگ کی حالت اشرف غنی کے لیے اور بھی خطرناک ہو گئی ہے۔ فوجیوں کی ہلاکتوں کی تعداد اونچی ترین سطح پر پہنچ گئی ہے۔ گزشتہ ہفتے میڈیا نے تائید کی کہ تین دنوں میں 150 افغان فوجی مجاہدین کے حملوں میں ہلاک ہوگئے ہیں۔ سروے اور اندازے بتاتے ہیں کہ فوجیوں کو نہ صرف جانی و مالی نقصان پہنچا ہے، بلکہ وہ جنگی حوصلہ بھی ہار چکے ہیں۔ افغانستان کے طول و عرض میں دیکھا گیا ہے کہ گنتی کے چند مجاہدین نے فوج کے پورے اڈے خالی کروائے اور تباہ کیے ہیں۔ ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کے مطابق بگرام کے ہوائی اڈے پر ایف 16 لڑاکا طیارے 16 سے 18 کی تعداد میں ہر وقت موجود رہتے ہیں۔ امریکی ڈرون طیارے ہر وقت فضا میں گھومتے رہتے ہیں، مگر طیاروں کی پروازوں نے فوج کو اُس کا ہدف پورا کر کے نہیں دیا۔ جنگ ماضی کی نسبت شدید ہوگئی ہے۔ امارت اسلامیہ ماضی کی نسبت طاقت ور، باریک بین ہوگئی ہے۔ وہ مؤثر انداز میں آگے بڑھ رہی ہے۔

> علاقے اور عالمی سطح پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امارت اسلامیہ سابقہ سیاسی حبس سے نکل چکی ہے۔ بڑی علاقائی قوتیں علاقے کی سطح پر امریکا کی عسکری پالیسیوں کے خلاف افغان عوام کی مزاحمت کو قانونی اور جائز قرار دیتی ہیں۔ امارت اسلامیہ اپنی کامیاب سفارت کاری اور مدبرانہ پالیسی کی بدولت اپنے اہداف کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علاقائی اور عالمی حریفوں کو اطمینان دلا چکی ہے۔ وہ اپنے متعلق ان کی رائے تبدیل کر چکی ہے۔

علاقوں پر کنٹرول

ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کے بعد افغانستان میں رہنے والے بیرونی فوجیوں کی قیادت نے کہا ہے کہ وہ بہت جلد افغانستان کے مضافاتی علاقوں میں آپریشن کا آغاز کریں گے۔ امارت اسلامیہ کے ہاتھوں بہت سے علاقے نکل جائیں گے۔ علاقوں پر کنٹرول کے حوالے سے سروے میں بتایا گیا ہے کہ امارت اسلامیہ افغانستان کے آدھے سے زیادہ علاقوں پر کنٹرول رکھتی ہے، مگر حالیہ مہینوں میں اگرچہ امریکا نے اپنی بمباری اور فضائی آپریشن بڑھا دیے ہیں، مگر علاقوں پر کنٹرول کے حوالے سے کوئی پیش رفت نہیں

ہو سکی۔ اس کے مقابلے میں مجاہدین نے مزید علاقوں پر قبضے کیے ہیں، جو نمایاں اسٹریٹجک اہمیت رکھتے ہیں۔ قندھار کے ضلع معروف، فراہ میں شیب کوہ اور سرپل میں میرزاولنگ کا درہ مکمل طور پر مجاہدین کے ہاتھ میں ہیں۔ ضلع غزنی کے ضلع اندڑ کی مرکزی عمارت کے علاوہ تمام علاقے امارت کے کنٹرول میں ہیں۔ ضلعی مرکز بھی سقوط کے دھانے پر ہے۔ علاوہ ازیں امارت اسلامیہ اپنے علاقوں پر قبضہ برقرار رکھنے میں کامیاب رہی ہے۔ انہوں نے مختلف علاقوں میں امریکی اور افغان فوجیوں کو ہر جگہ بھگایا اور حکومتی بمباری کا ڈٹ کر مقابلہ کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان علاقوں پر دوبارہ قبضے کے لیے ٹرمپ کی اسٹریٹیجی ناکام رہی ہے۔

عوامی تعاون اور حمایت

تجربات نے ثابت کیا ہے کہ افغانستان کی جنگ کو جہت دینے میں سب سے اہم موثر عامل عام لوگوں کی حمایت ہے۔ تحقیقات نے ثابت کیا ہے کہ دنیا کی بڑی طاقتوں کے مقابلے میں نہتے مجاہدین کی ثابت قدمی کا راز بھی یہی ہے کہ افغانستان کے عوام کی بڑی اکثریت ان سے ہمدردی رکھتی ہے اور حمایت کرتی ہے اور انہیں اپنے ارمانوں کی تکمیل کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کے ساتھ ہی مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے کا سلسلہ تیز ہو گیا تاکہ ان کی حقیقت مسخ کر کے لوگوں کے سامنے پیش کی جاسکے اور عوام کو حمایت سے روک دیں۔

دیکھا جائے تو حال ہی میں امریکا کی جانب سے بمباری، چھاپے اور عوام کے قتل کے باعث عوام میں امریکا کے خلاف نفرت اور بیزاری کی سطح اور بھی بڑھ گئی ہے اور اس کے مقابلے میں عوام اس نتیجے پر پہنچی ہے کہ امریکی غاصب، قاتل اور جارح ہیں اور ان کے خلاف لڑنے والے امارت اسلامیہ کے مجاہدین ملک، عوام اور آزادی کا تحفظ کرنے والے ہیں۔ حالیہ چند مہینوں میں ہم دیکھ رہے ہیں کہ عام افغان شہری ٹرمپ کی بمباری اور قتل عام کے خلاف اپنے نفرت کا مظاہرہ کرنے کے لیے احتجاجی مظاہرہ کر رہے ہیں اور اس کے مقابلے میں مجاہدین کے علاقوں میں سیکیورٹی، تعمیر نو اور چوروں ڈاکوؤں کے خلاف مجاہدین کی کارروائیوں کے باعث عوام ان کے بہت قریب ہو چکے ہیں اور یہی ان کی کامیابی کی وجہ ہے۔

خطہ اور عالمی سطح

خطے اور عالمی سطح پر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ امارت اسلامیہ سابقہ سیاسی حبس سے نکل چکی ہے۔ بڑی علاقائی قوتیں خطے کی سطح پر امریکا کی عسکری پالیسیوں کے خلاف افغان عوام کی مزاحمت کو قانونی اور جائز قرار دیتی ہیں۔ امارت اسلامیہ اپنی کامیاب سفارت کاری اور مدبرانہ پالیسی کی بدولت اپنے اہداف کی تکمیل کے ساتھ ساتھ علاقائی اور عالمی حریفوں کو اطمینان دلا چکی ہے۔ وہ اپنے متعلق ان کی رائے تبدیل کر چکی ہے۔ چین اور روس سمیت مجاہدین سے متعلق دشمنی کا موقف رکھنے خطے کے دیگر بہت سے ممالک ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کی مذمت کرتے ہیں۔ اندرون افغانستان بھی افغان عوام مجاہدین کے ساتھ فکری طور پر بہت قریب ہیں۔ وہ ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کو جنگ کی بے فائدہ طوالت کا سلسلہ سمجھتے ہیں۔

چوں کہ ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کے نتیجے میں مجاہدین کو کوئی نقصان پہنچا ہے اور نہ ہی ان کی پوزیشن میں فرق آیا ہے۔ ابھی تک کوئی علاقہ مجاہدین کے قبضے سے نہیں نکالا جا سکا۔ عوام اور مجاہدین کے درمیان قربتیں بدستور موجود ہیں۔ امارت اسلامیہ کو ملکی یا علاقائی سطح پر تنہائی کا شکار نہیں کیا سکا۔

اشرف غنی اور ان کے مخلوط ادارے کے دیگر حکام ٹرمپ کی اسٹریٹیجی کو اپنی کامیابی کا ذریعہ سمجھنے لگے تھے۔ اگر پروپیگنڈے پر گزربسر کے بجائے حقائق پر تھوڑی سی نگاہ ڈالی جائے تو سمجھ آ جائے گا کہ یہ مسئلہ جنگ اور غیروں کی بمباری سے حل نہیں کیا جا سکتا۔ وہ کبھی سکھ کا سانس نہیں لے سکیں گے۔ اگر یہ لوگ بمباری ہی جاری رکھیں تو ردِ عمل میں مجاہدین کے حملے بھی تیز ہوں گے۔ پھر اشرف غنی حکومت چلانے کی بجائے روزانہ تابوت کاندھوں پر لیے قبرستانوں کا رخ کر رہے ہوں گے۔

تین حملوں نے دشمن کی کمر توڑ دی

حبیب مجاہد

افغانستان کے لیے ٹرمپ کی اسٹریٹیجک پالیسی کے اعلان کے بعد دشمن کی رعونت می ں اضافہ ہوا ہے۔ وہ اپنے تئیں یہ سمجھ رہا ہے کہ ٹرمپ کی امداد اور نئی پالیسی سے اس کی کمر مضبوط ہو گی۔ جس سے مجاہدین کا مقابلہ آسان ہو جائے گا۔ اسی لیے انہوں نے پروپیگنڈا مہم تیز کر کے جنگ کا لاوا بھڑکا دیا ہے۔ کچھ دنوں قبل امریکا کی جانب سے افغانستان کی کاسہ لیس حکومت کو بلیک ہاک نامی طیارے دیے گئے تو اس سے دشمن کے غرور میں مزید اضافہ ہوا۔ اشرف غنی نے یہاں تک کہہ دیا کہ 'اب افغانستان کے زمین و آسمان پر ہمارا قبضہ ہو گا۔ مگر اللہ کا کرنا ایسا ہوا کہ مجاہدین کے چند کامیاب حملوں سے ان کی نام نہاد اسٹریٹجی کے غبارے سے ہوا نکل گئی۔ ان چند کامیاب فدائی حملوں نے دشمن کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا ہے۔ اس کی روح پر ایسی کاری ضرب لگائی ہے، جس کی وجہ سے اس کے بلند و بانگ دعووں کے بجائے صلح کے لیے پھیلے ہوئے ہاتھ نظر آنے لگے ہیں۔

1396 ہجری شمسی کی تاریخ 18 میزان کو صبح سویرے مجاہدین نے صوبہ غزنی کے ضلع اندڑ کے فوجی مرکز پر حملہ کیا۔ ایک فدائی نے گاڑی کو بم سے اڑا دیا۔ بعد ازاں مجاہدین نے مرکز پر پے در پے حملے کیے۔ دشمن کی جانب سے جاری اطلاعات کے مطابق اس حملے میں تیس فوجی اہل کار ہلاک ہوئے، جن میں 25 پولیس اہل کار تھے۔ ضلع شلگر کے حملوں سے متعلق الامارہ ویب سائٹ کے مطابق امارت اسلامیہ کے 'شعبہ استشہاد' کے ایک فدائی مجاہد رفیع اللہ نے بارود بھری گاڑی کو ضلعی مرکز میں اڑا دیا۔ جس سے مذکورہ ضلع کی فوجی چھاؤنی سمیت، دشمن کی تمام رہائش گاہیں، کوارٹرز، ٹاورز اور اس سے متعلق سبھی کچھ تباہ ہو کر رہ گیا۔ اطلاعات کے مطابق یہ حملے چار بجے تک جاری رہے۔ جس سے ضلعی ہیڈ کوارٹر کی عمارت اور سکیورٹی ہیڈ کوارٹر سمیت دشمن کے 11 ٹینک اور دس رینجر گاڑی تباہ ہو گئیں۔ اسی طرح 31 فوجی، خفیہ اداروں کے اہل کار اور پولیس اہل کار ہلاک ہو گئے۔ مذکورہ ضلع کے لیے کٹھ پتلی انتظامیہ کے مقرر کردہ آئی جی پولیس نذیر زنگ سمیت 21 افراد زخمی ہوئے۔ سرکاری اداروں نے میڈیا کو بتایا کہ مجاہدین نے یہ پلان نہایت عرق ریزی اور بیدار مغزی سے تیار کیا تھا۔ مجاہدین نے غزنی سے لے کر ضلع اندڑ تک تمام راستے پر بم بچھا دیے تھے۔ اسی لیے مدد کے لیے آنے والے دستے دیر سے پہنچے،

> معلومات کے مطابق یہاں 350 پولیس اہل کار موجود رہتے تھے۔ سکیورٹی ہیڈ کوارٹر میں حملے کے دوران 155 پولیس اہل کار موجود تھے۔ پکتیا حملے کی یہ ضرب اتنی شدید تھی کہ آئی جی پولیس اور نظم عامہ ادارے کا تمام سامان جل کر راکھ ہو گیا تھا۔ سرکاری اطلاعات کے مطابق یہ حملہ پچھلے کئی ماہ میں سب سے زیادہ اور شدید نوعیت کا تھا۔ حکومت نے اپنے 41 افراد کے ہلاکت کی تصدیق کی تھی، جن میں صوبہ پکتیا کے آئی جی پولیس توریالی عبدیانی بھی شامل تھے۔ حملے کے کئی گھنٹے بعد نائب صدر عبداللہ عبداللہ، آرمی چیف معصوم ستانکزئی اور وزیر داخلہ اویس برمک جائے وقوعہ کا معائنہ کیے بغیر گریز چلے گئے۔

تب تک ضلع میں محصور افغان و بیرونی افواج کو کافی زیادہ نقصان پہنچ چکا تھا۔

غزنی حملے کے چند لمحے بعد مجاہدین نے صوبہ پکتیا کے مرکز میں پولیس کی عمارات اور لیویز کو نشانہ بنایا۔ سب سے پہلے ایک فدائی مجاہد اسد اللہ خوستی نے بارودی مواد سے بھری گاڑی نظم عامہ چھاؤنی کے اندر اڑائی، جس میں چھاؤنی سمیت چوکی داروں کے کمرے، ان کی رہائش گاہیں اور آرام گاہیں بھی ایک ہی لمحے میں راکھ بن گئیں۔ اس حملے کے بعد تین مزید فدائی مجاہد معاذ بلندی، ملا بلال زابلی اور سلیمان خوستی بھاری و ہلکے اسلحے؛ ہینڈ گرنیڈ اور دیسی ساختہ بموں سے لیس تھے۔ مرکز میں داخلے کا راستہ پہلے سے کھلا تھا۔ کچھ ہی لمحے بعد ایک اور فدائی مجاہد عمر کابلی نے اسلحے سے لیس ٹینک پولیس ہیڈکوارٹر کے اندر داخل کر کے اڑا دیا، جہاں چوکی داروں کے ٹاورز، ان کی رہائش گاہیں، دفتر، پولیس کے کوارٹرز سمیت پوری چھاؤنی مکمل طور پر تباہ ہو گئی۔

اس حملے کے ساتھ ہی مزید جان نثار فدائین حمزہ پکتیاوال، ساجد لوگری اور احمد خوستی نے سکیورٹی ہیڈکوارٹر میں داخل ہو کر راستہ ہموار کیا۔ جب فدائی مجاہدین اندر داخل ہو گئے تو دیے گئے پلان اور نقشوں کے مطابق حملوں کا آغاز کیا کر دیا گیا۔ پہلے حملے کے ساتھ ہی اندر موجود سہمے ہوئے پولیس اہل کاروں کو نشانہ بنایا جانے لگا۔ روپوش پولیس اہل کاروں کے ٹھکانے ڈھونڈے گئے۔ دو گھنٹوں کے کامیاب آپریشن کے بعد سکیورٹی مرکز کے اندر موجود آئی جی سمیت تمام پولیس اہل کار ہلاک ہو چکے تھے۔ بعد ازاں جب باہر سے کمانڈوز اور اسپیشل فورسز کے دستے زخمی و ہلاک شدگان کی مدد کے لیے پہنچے تو فدائی مجاہدین نے ان کے ساتھ جنگ شروع کر دی۔ اطلاعات کے مطابق پانچ گھنٹوں کی گھمسان کی جنگ کے بعد پولیس مرکز کے اندر اور باہر آئی جی پولیس سمیت 277 سکیورٹی اہل کار ہلاک، جب کہ 168 زخمی ہو گئے تھے۔ جن کے علاج کے لیے ہسپتالوں میں ایمرجنسی نافذ کرنے کے باوجود کوئی جگہ نہیں تھی۔

پکتیا اور غزنی کے حملوں کے بعد 20 میزان کی رات فوج کو صوبہ قندھار کے ضلع میوند میں ایک اور شدید حملے کا سامنا کرنا پڑا۔ ضلع میوند کے علاقے چشمو میں 60 فوجی رہ رہے تھے۔ وہ رات دو بجے مجاہدین کے حملوں کی زد میں آ گئے۔ وزارت دفاع کے ترجمان کے مطابق ان ساٹھ فوجیوں میں صرف دو فوجی زندہ رہ گئے تھے، لیکن مجاہدین کے ترجمان قاری یوسف احمدی کے مطابق وہاں موجود سبھی فوجی مارے گئے تھے۔

میوند کے اس حملے کے متعلق میڈیا نے رپورٹ جاری کی کہ اس حملے میں بھی مجاہدین نے ہموی گاڑی کا استعمال کر کے ہیڈکوارٹر تباہ کیا تھا۔ میوند میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا حملہ نہیں ہے، بلکہ صوبہ قندھار کے علاقے خاکریز، ارغنداب اور غورک میں اسی نوع کے کامیاب حملے پہلے بھی ہو چکے ہیں، جن میں بڑی تعداد میں فوجی مارے گئے تھے۔

غزنی، گردیز اور قندھار کے ان تین حملوں نے نہ صرف فوجی سطح پر کافی زیادہ نقصان پہنچا کر مظلوم شہداء کی روحوں کو سکون پہنچایا ہے، بلکہ میڈیا کے میدان میں بھی حکومت کو اس مؤقف سے دست بردار کرایا ہے، جسے اس نے ٹرمپ کی اسٹریٹجی کے اعلان کے بعد اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا

غزنی، گردیز اور قندھار کے ان تین حملوں نے نہ صرف فوجی سطح پر کافی زیادہ نقصان پہنچا کر مظلوم شہداء کی روحوں کو سکون پہنچایا ہے، بلکہ میڈیا کے میدان میں بھی حکومت کو اس مؤقف سے دست بردار کرایا ہے، جسے اس نے ٹرمپ کی اسٹریٹجی کے اعلان کے بعد اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔

امریکی میڈیا حقائق مسخ کرتا ہے!

مفتی محمد گل سعید

اسلام دشمنوں نے امت مسلمہ کے ساتھ نہ ختم ہونے والے ہمہ جہت جنگ کا آغاز کر رکھا ہے۔ بالخصوص گزشتہ سولہ سالوں کے دوران امت مسلمہ کے خلاف مسلح جنگ کے ساتھ ساتھ شیطانی منصوبوں کے تحت فکری اور نفسیاتی جنگ بھی شروع کر ہے۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ اسلامی امت کو لادین بنا کر توحید کی سیدھی راہ سے ہٹا دیا جائے۔

یہود اپنے اہداف کے لیے پوری دنیا پر امریکی حاکمیت کے لیے وسیع پیمانے پر ایسے وسائل خرچ کر رہے ہیں، جو دنیا کے بہت سے ممالک کے پاس موجود ہی نہیں ہیں۔ ان کے پاس ہر ملک کی مقامی زبانوں میں وسیع پیمانے پر لٹریچر موجود ہے، جس میں وہ امریکی جمہوریت کی تعریفوں کے پل باندھ رہے ہیں۔ امریکا میں مذہبی آزادی اور ان کی جانب سے ترقی پذیر ممالک کے لیے مالی اور طبی امداد کو مبالغہ آمیزی کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ مسیحیت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اسلام اور اسلامی تعلیمات پر کھلے عام تنقید کی جاتی ہے۔ نام نہاد آزادیٔ نسواں سے متعلق گولڈ زیہر اور زوائمر جیسے یہودی بنیاد پرستوں کے گمراہ کن مضامین شامل کیے جاتے ہیں، جو خالص اسلامی تعلیمات کے خلاف ہوتے ہیں۔

گو یہود نے پچھلے سولہ سالوں سے اسلام کے خلاف سرد جنگ شروع کر رکھی ہے، تاکہ نسل نو کو اسلام اور اسلامی تعلیمات سے بدظن کر کے اُسے اسلام سے منحرف کر دیا جائے۔ آج کل لوگ اپنی معلومات پر اتنا یقین نہیں کرتے، جتنا میڈیا کی خبروں اور مضامین پر کرتے ہیں۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ دور میڈیا کا ہے۔ میڈیا کی ہر بات پر اعتبار کیا جاتا ہے۔ مطبوعات اور لٹریچر نہ صرف اظہار مافی الضمیر کا ذریعہ ہے، بلکہ لوگوں کے اذہان کو تابع کرنے اور اپنے مقاصد کے حصول کے لیے بہترین اور کامیاب ذریعہ شمار کیا جاتا ہے۔ میڈیا کن کے اشاروں پر چلتا ہے؟ یہ نہایت اہم سوال ہے۔ تمام مسلمانوں کو اس سے باخبر ہونا چاہیے کہ پوری دنیا کے میڈیا کا 96 فی صد صرف 6 کمپنیوں کی ملکیت ہے۔ جب کہ وہ چھ کمپنیاں یہودیوں کی ملکیت ہیں۔ اگر امریکا عسکری میدان میں دنیا کا سب سے زیادہ طاقت ور ملک ہے تو اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ امریکی میڈیا بھی سب سے زیادہ طاقت ور میڈیا ہے۔ حالانکہ امریکا میں یہودیوں کی تعداد بہت کم ہے، لیکن وہ امریکا کے ان میڈیا گروپس پر قابض ہیں، جن کا ملک کی سیاسی، اقتصادی اور ملکی پالیسیاں بنانے میں اہم کردار ہے۔

دنیا میں سب سے بڑی کمپنی والٹ ڈزنی '**Walt Disney**' ہے۔ اس کمپنی کی سب سے زیادہ پروڈکشن ہاؤس امریکا میں ہیں۔ اس کمپنی کے تین میگزین، سات اخبارات اور ایک بڑا کیبل نیٹ ورک ہے، جس کا کل خرچہ 14 ملین ڈالر تک ہے۔ دوسری بڑی کمپنی 'ٹائم وارنر' ہے، جس کی ملکیت میں امریکا کا سب سے بڑا ٹی وی کیبل نیٹ ورک 'ایچ او بی' ہے۔ امریکا میں سب سے زیادہ کثیر الاشاعت روزنامہ ٹائم میگزین بھی یہودیوں ہی کی ملکیت ہے۔ تیسری سب سے بڑی کمپنی 'وائی کام' ہے۔ اس کا کام صرف عوام کے ذہنوں کو فحاشی و عریانی کی طرف مائل کرنا اور اس تک ہر فرد کی رسائی کو ممکن بنانا ہے۔ چوتھی بڑی کمپنی 'نیوز کارپوریشن' ہے۔ یہ بھی یہود ہی کی ملکیت ہے۔ یاد رہے امریکا میں روزانہ 6 کروڑ اخبارات فروخت ہوتے ہیں، جن میں 75 فی صد حصہ یہود کا ہے۔ ایک رپورٹ کے مطابق امریکا کے تین بڑے اخبارات نیویارک ٹائمز، وال اسٹریٹ جنرل اور واشنگٹن پوسٹ بھی یہود کی ملکیت ہیں۔ ٹائم میگزین اور نیوز ویک بھی یہودیوں کے ہیں۔

یہ حقیقت مان لینی چاہیے کہ دنیا کے تمام بڑے میڈیا گروپس پر یہود کا قبضہ ہے۔ انہوں نے مسلسل کوشش کی ہے۔ جس کے نتیجے میں ذرائع ابلاغ ان کے قبضے میں ہیں۔ انہوں نے اپنے اس ہدف میں کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ ان کا ہدف عالمی سطح پر شر پھیلا کر اسلام مخالف دعوتی مہم کو فروغ دینا ہے۔ یہ بات بھی یاد رکھنے کی ہے کہ بین الاقوامی میڈیا نے صرف عالم کفر میں ہی نہیں، کیا بلکہ عالم اسلام میں بھی فحاشی و عریانی پھیلانے کا کافی زیادہ کام کیا ہے۔ یہودی میڈیا اسلام کے عملی، تہذیبی اور اخلاقی پہلوؤں کو کمزور بنانے کے لیے دن رات معروف عمل ہے۔ اس میدان میں وہ اس لیے بھی مسلسل کوشش کرتے ہیں، تاکہ مسلمانوں کی نوجوان نسل کو دین سے بے بہرہ رکھ کر فحاشی و عریانی میں لگا دیا جائے۔ امریکا نے افغانستان میں بھی لاکھوں ڈالر خرچ کیے ہیں۔ مختلف ٹی وی اور ریڈیو چینلز قائم کیے ہیں تاکہ افغانستان کی نوجوان نسل کو تبدیل کر کے اپنی خواہشات کے مطابق بنا دیا جائے۔ امریکی استعمار نے اس مقصد کے حصول کے لیے بڑے پیمانے پر انسانیت دشمن جرائم کا ارتکاب کیا ہے۔ یہ طاغوت کے جرائم کی چند مثالیں ہیں، جن کا ارتکاب گزشتہ چودہ سالوں کے دوران کیا گیا ہے۔ ان ممالک، اداروں اور افراد کو متنبہ رہنا چاہیے جو آج بھی امریکا کو انسان دوست اور اسلامی دنیا کے غم خوار کے طور پر دیکھتے ہیں۔ حالانکہ امریکی استعمار انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ وہ انسانیت کو ہلاکت میں ڈال رہا ہے۔ امتِ اسلام کا فرض ہے کہ وہ امریکی استعمار کے تمام کفریہ ہتھکنڈوں اور ظلم سے بچنے کے لیے تدابیر اختیار کریں۔ اپنی دینی ذمہ داریوں کا احساس کرتے ہوئے موجودہ غیر یقینی صورت حال سے منظم انداز سے نمٹا جائے۔

اونٹ پالنے والے دروازے بڑے رکھتے ہیں

شریف جواد

مَیں کسی سے کہہ رہا تھا کہ حالیہ کچھ دنوں میں کم از کم 329 افغان شہری ہلاک ہوگئے ہیں اور زخمیوں کا تو مت ہی پوچھیں۔ کہنے لگے: 'جی ہاں! پکتیا میں بڑا دھماکہ ہوا ہے، جس میں بڑی تعداد میں فوجی ہلاک ہوئے ہیں۔' عرض کیا نہیں، جن لوگوں کا مَیں تذکرہ کر رہا ہوں، وہ پکتیا میں نہیں مارے گئے، یہ تو وہ افغان شہری ہیں، جو گزشتہ دنوں مختلف صوبوں میں حکومتی فوج کی جانب سے 'مسلح طالب دہشت گرد' کے نام پر مارے گئے تھے۔ جس پر حکومت نے پورے فخر سے اس کی ذمہ داری قبول کی تھی۔ مگر کسی نے ان شہریوں کی مظلومانہ شہادت پر افسوس کا اظہار نہیں کیا۔ پتہ نہیں ان کی جان اتنی سستی کیوں ہے؟

مَیں نے ان سے کہا کہ 'افغان فوجیوں نے ایک مسجد بھی شہید کر دی ہے۔' کہا کہ جی ہاں پولیس ہیڈ کوارٹر کی مسجد تباہ ہوگئی ہے۔ مَیں نے کہا 'نہیں! یہ پکتیا کے ہیڈ کوارٹر کی مسجد نہیں تھی۔ یہ وہ مسجد ہے، جو دو دن قبل صوبہ ننگرہار کے ضلع غنی خیل میں حکومتی اہل کاروں اور امریکیوں کے مشترکہ آپریشن میں تباہ کر دی گئی تھی۔ اندھیری راتوں میں لوگوں کے گھروں میں گھسے، گاؤں کے لوگوں کو پکڑ اکر سروں پر کالے تھیلے چڑھائے اور گرفتار کر کے لے گئے۔ پھر گاؤں پر بمباری کر دی گئی۔ مساجد پر بمباری کی گئی۔ مگر یہ مسجد اس لیے قابلِ ذکر نہیں ہے کہ اندرونی اور بیرونی فوجیوں کی بمباری میں تباہ ہوئی ہے۔

وزارت دفاع کی سرکاری ویب سائٹ دیکھیے۔ گزشتہ دس دنوں تقریباً 629 افغان شہری 'دہشت گردی' کے الزام میں شہید کر دیے گئے ہیں۔ گزشتہ دنوں پکتیا کے پولیس ہیڈ کوارٹر سے دھماکوں اور حملوں کی رپورٹیں آتی رہی ہیں۔ تب ایک ویب سائٹ کی خبر کی سرخی یہ تھی:

'ملک کے مختلف حصوں میں 101 مسلح دہشت گرد ہلاک'

ابھی جب یہ سطریں لکھی جا رہی ہیں، وزارت دفاع نے اپنی حالیہ رپورٹ میں ایک بار پھر کہا ہے کہ گزشتہ 24 گھنٹوں میں ملک کے مختلف صوبوں میں 55 دیگر مسلح 'دہشت گرد اور طالبان' (مجاہدین) ہلاک کر دیے گئے ہیں۔ اگرچہ وزارت دفاع روزانہ بہت فخر سے دہشت گردوں کی ہلاکت کی خبر دیتی ہے، اگر ذیل میں دیے گئے صرف گزشتہ دس دن کے اعداد و شمار دیکھ لیے جائیں تو معلوم ہو جائے گا کہ افغان شہری شہید ہوئے ہیں یا ویب سائٹ کے بقول 'طالبان دہشت گرد' مارے گئے ہیں؟

1. وزارت دفاع نے اعلان کیا ہے کہ 55 افغان شہریوں کو دہشت گردوں کے نام سے مار دیا گیا ہے اور 20 دیگر زخمی ہیں۔
2. ہلاک ہونے والے افغان شہریوں کی تعداد 10 سے بڑھ گئی ہے اور حکومتی فوجیوں نے 101 افغان شہری 'طالب اور دہشت گرد' کے نام پر مارے اور 27 زخمی کیے ہیں۔
3. حکومتی فوجیوں نے 26 'دہشت گرد اور طالبان' مار دیے 19 زخمی ہیں۔
4. حکومتی فوجیوں نے 67 'طالبان دہشت گرد' مار دیے اور 45 زخمی ہیں۔
5. وزارت دفاع کے اعداد و شمار کے مطابق 60 مسلح افراد اور طالبان دہشت گرد ہلاک 27 زخمی کر دیے گئے۔
6. 68 مسلح دہشت گرد ہلاک 17 زخمی ہیں۔
7. 56 مسلح دہشت گرد ہلاک اور 50 زخمی۔
8. وزارت دفاع نے بتایا کہ طالبان کے ایک کمانڈر سمیت 56

مسلح دہشت گرد ہلاک اور 50 زخمی کر دیے گئے۔

9. طالبان کے ایک نائب گورنر اور 4 طالبان کمانڈروں سمیت 70 طالبان دہشت گرد ہلاک اور 52 زخمی ہیں۔

حکومتی فوجیوں نے 63 مسلح دہشت گرد ہلاک اور 26 زخمی کر دیے۔ وزارت دفاع کی سرکاری ویب سائٹ کے مطابق صرف ضلع غورماچ میں 30 طالبان دہشت گرد ہوئے ہیں۔

درجہ بالا اعداد و شمار صرف گزشتہ دس دنوں کے ہیں۔ البتہ ہلاکتوں کا یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری ہے۔ ہر دن درجنوں افغان شہری وزارت دفاع کے بقول 'طالبان دہشت گرد' کے نام پر ہلاک ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ صرف افغان شہری نہیں، جو وزارت دفاع کے فوجیوں کی جانب سے مارے جاتے ہیں۔ پولیس اور اربکی دہشت گرد جن لوگوں کو مارتے ہیں یا خود جارح فوجی جنہیں مارتے ہیں، ان کے اعداد و شمار جمع کیے جائیں تو آپ خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ تعداد کتنی ہو جائے گی۔ پھر اس کا موازنہ پکتیا کے حالیہ واقعے سے کیجیے۔

سوال یہ ہے کہ اب کسی نے حکومت سے کیوں نہیں پوچھا کہ دہشت گردوں کے نام پر روزانہ جتنے لوگ مارے جاتے ہیں، وہ کون ہیں؟ دہشت گرد کا لفظ اس ملک میں کون لایا ہے؟ دہشت گرد کسے کہا جاتا ہے؟ کیا یہ مارے جانے والے افغان شہری نہیں ہیں؟ اگر آج ان مارے جانے والے 'طالبان دہشت گردوں' کے بیٹے، بھائی یا والد اٹھ اپنے شہداء کا انتقام لیتے ہیں تو یہ ان کا فطری اور طبعی حق ہے۔ گزشتہ سالوں کے تجربات نے بار ہا ثابت کیا ہے کہ مجاہدین کے شہید ہو جانے کو موجودہ حالات میں لوگ ایک طبعی واقعہ سمجھتے ہیں۔ ردِ عمل میں جب مجاہدین اپنا دفاع کرتے ہیں یا انتقام لیتے ہیں تو پھر امن کی ضرورت اور جنگ بندی پر اصرار کیا جاتا ہے۔ اسلحہ پرایا ہو جاتا ہے۔ جنگ بین الافغان بن جاتی ہے۔ مصالحت کی ضرورت بڑھ جاتی ہے۔ طالب غیروں کا ایجنٹ بن جاتا ہے اور...

جب کچھ عرصہ قبل امریکا نے افغان حکومت کو بلیک ہاک ہیلی کاپٹر دیے، تاکہ اس سے اپنے افغان شہریوں کو مارا جائے تو کیوں کسی نے اس کا نہیں پوچھا کہ یہ مصالحت کے لیے دیے جا رہے ہیں یا جنگ کے لیے؟ امن کے جھوٹے دعوے دار تب جاگ جاتے ہیں، جب فائر کسی مجاہد کی گن سے ہوتا ہے۔ اگر مجاہد مارا جاتا ہے، زخمی ہوتا ہے، گرفتار ہو جاتا ہے، افغان فوج بمباری کرتی ہے یا عوام کو بے گھر کر دیتی ہے، تب کوئی کچھ نہیں بولتا۔ کیوں کہ مجاہد کا خون جارحیت پسندوں اور ان کے غلاموں کے ہاں بے قیمت اور بے حیثیت ہے۔

افسوس کا مقام ہے کہ یہاں امن کے نام سے منافقانہ طریقے سے فائدہ اٹھایا جاتا ہے۔ جن کی توجہ کل پکتیا کے واقعے کے بعد امن دشمنی اور افغانوں کی ہلاکت کی جانب مبذول تھی، اگر وہ واقعتاً امن کے داعی اور اس دعوے میں سچے ہیں تو صرف ایک دن کے لیے حکومتی فوجیوں کی سرکاری ویب سائٹوں کا جائزہ لیں کہ مجاہدین کے علاقوں میں گردیز جیسے واقعے روز کا معمول بن گئے ہیں، مگر مجاہدین اب بھی حکومتی مظالم کے مقابلے میں بہت حوصلے اور صبر سے کام لے رہے ہیں۔ جب تک امن اور مصالحت کے نعرے اس طرح کی منافقت اور دو رُخے پن سے پاک نہیں ہو جاتے، امن کی آواز جنگ کو یک طرفہ جواز دینے کے علاوہ کوئی اور معنی نہیں رکھے گی۔

جب افغان حکومت ٹرمپ کی جنگی پالیسی کو پسند کرے گی اور اس کو خوش آمدید کہے گی اور باوجود یہ کہ دہشت گردی کا معنی بھی نہیں جانتے، بیرونی قوتوں کی خوش نودی کے لیے طالب کو دہشت گرد کے نام پر مار جائے گا تو پھر مقابل فریق سے بھی گردیز جیسے واقعے کے ردِ عمل کی توقع کرنی چاہیے۔ مجاہدین کو مارنے اور ختم کرنے کے لیے جارحیت پسندوں سے تعاون کا آپ نے خود اعتراف کیا ہے۔ بلاشک وشبہ یہ ایک حقیقت ہے۔ جب تم جارحیت پسندوں اور ان کے اہداف کا تحفظ کرو گے اور پھر یہ بھی جان لو کہ جو لوگ اونٹ پالتے ہیں، انہیں دروازے بھی اونچے رکھنے پڑتے ہیں۔

امریکی پالیسیوں کے خلاف عوامی تحریکیں

ذوالکلام

امریکا کے جارحانہ فیصلوں اور دنیا کے ترقی پذیر ممالک کے خلاف ہمیشہ اس کے غاصبانہ رویے کو امریکی عوام کی طرف سے کبھی بھی پذیرائی حاصل نہیں ہو سکی۔ ہر نئے انتخابات کے بعد احتجاج کا سلسلہ دیکھنے کو ملتا ہے۔ اپنے حکمرانوں کے خلاف پالیسیاں تبدیل کرنے کے لیے دباؤ ڈالا جاتا ہے۔ نائن الیون کے واقعے پر امریکی میڈیا نے پورا زور صرف کر کے عوام کے ذہنوں کو تبدیل کرنے کی کوشش کی تھی۔ دنیا کے کونے کونے میں آزادی اور جنگ جو تحریکوں کے ظلم وجور کے ویڈیو کلپس بنا کر اپنے عوام کو دکھا کر یہ تاثر دیا جانے لگا کہ یہ سب اسلامی ممالک میں ہو رہا ہے۔ یہ اسلام کا اصل چہرہ ہے۔ اگر یہ نظام دنیا پر نافذ ہو گیا تو اس کے یہ مظاہر ہوں گے۔ انسانوں کا قتل عام ہو گا۔ آزادی و حریت پر قدغن لگ جائے گی۔ ایک حد تک وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہے۔ رائے عامہ کو ہموار کر کے افغانستان اور عراق پر چڑھائی کی گئی۔ تب بھی امریکی عوام اہل نظر اور سمجھ بوجھ رکھنے والوں نے اس فیصلے کی شدت کے ساتھ مخالفت کی تھی۔ اسے امریکا کو جنگ کی دلدل میں دھکیلنے والا تباہ کن فیصلہ قرار دیا تھا۔

یہ مخالفت صرف عوامی حلقوں کی جانب سے ہی نہیں، بلکہ امریکا کے تین بڑے روزناموں نیویارک ٹائمز، وال اسٹریٹ جنرل اور واشنگٹن پوسٹ نے بھی بعض اوقات دبے لفظوں کے ساتھ مخالفت کر کے اس فیصلے کے بھیانک نتائج سے قوم کو آگاہ کیا تھا۔ اس صورت حال میں بھی امریکا نے اپنے لاؤ لشکر کے ساتھ اسلامی ممالک کو یکے بعد دیگرے جارحیت کا نشانہ بنایا۔ اس دوران امریکا کے تین صدر تبدیل ہو گئے۔ ہر ایک پر افغانستان کے حوالے سے پالیسی تبدیل کرنے کے لیے عوامی سطح دباؤ ڈالا گیا۔ گو پہلے سالوں میں احتجاجی تحریکیں ڈر کے باعث خاموش اور زیر زمین چل رہی تھیں، اب جب خوف کے بادل چھٹ گئے تو احتجاجی تحریکوں میں بھی شدت آتی گئی۔ خصوصاً جب صدر ڈونلڈ ٹرمپ آئے تو احتجاجی تحریکوں نے زور پکڑ لیا۔ یہ تحریکیں کسی طرح تھمنے میں نہیں آرہی تھیں۔ امریکی میڈیا بھی انہیں نہ چھپا سکا۔ اب تک میڈیا میں جو رپورٹس آئی ہیں، ان سے صاف ظاہر ہے امریکا کی کوئی ایسی ریاست نہیں رہی، جس میں احتجاجی تحریک نہ چلی ہو۔ جہاں امریکی جارحانہ پالیسیوں کے خلاف عوام سڑکوں پر نہ نکلے ہوں۔ حال ہی میں امریکی صدر ٹرمپ کو عہدہ صدارت سے ہٹانے کے لیے انٹرنیٹ پر ایک ویب سائٹ پر دستخطی مہم کا آغاز کیا گیا تھا۔ یہ مہم امریکی کروڑ پتی ٹام سٹیئر نے ملک کو جوہری جنگ کی دہلیز پر لانے اور دیگر ممالک سے مالی معاونت حاصل کرنے کے الزامات کی بنیاد پر شروع کی تھی۔ یہ مہم 'نیڈ ٹو امپیچ ڈاٹ کام' کے نام سے 20 اکتوبر کو شروع کی گئی۔ مہم میں اس وقت 11 لاکھ 19 ہزار 720 دستخط جمع ہوئے ہیں۔ صدر ٹرمپ نے اس مہم کا جواب گزشتہ ہفتے اپنے ٹویٹر اکاؤنٹ سے دیا۔ پیغام میں صدر نے سٹیئر کے لیے 'سٹھیائے ہوئے' اور 'دیوانے' کے الفاظ استعمال کیے۔

یہ احتجاجی تحریکیں دراصل امریکا کی ان جارحانہ پالیسیوں کے خلاف ہیں، جو وہ پچھلے سترہ سالوں سے اسلامی ممالک کے خلاف جاری رکھے ہوئے ہے۔ ان پالیسیوں نے امریکی معیشت کو تباہی کے دھانے پر لا کھڑا کیا ہے۔ یہی وہ تباہ کن سوچ اور پالیسیاں ہیں، جنہوں نے امریکی عوام کو سراپا احتجاج بنا دیا ہے۔ اگر امریکی صدر اپنا امیج بہتر بنانا چاہتے ہیں اور امریکی عوام کے لیے ایک مقبول صدر کی حیثیت سے اپنا دور صدارت گزارنا چاہتے ہیں تو سب سے پہلے جنگی پالیسیوں کا خاتمہ کرنا ہو گا۔ اسلامی دنیا کے خلاف اپنا جارحانہ رویہ ترک کر کے دنیا میں لگی آگ کو بجھانا ہو گا۔ مفاہمت کی پالیسی اختیار کرنا ہو گی۔ ورنہ ٹرمپ امریکی صدور کی فہرست میں ناپسندیدہ ترین صدر کے طور پر یاد کیے جائیں گے

امریکی حملے کی پہلی رات

نجیب ارمان

سولہ برس قبل 7 اکتوبر کی ایک رات مشرقی صوبے جلال آباد شہر کے ایک گھر میں چند دوستوں کی محفل سجی ہوئی تھی۔ مَیں ان کی پُرلطف گپ شپ سے محظوظ ہو رہا تھا کہ اچانک زوردار دھماکے کی آواز سنی گئی۔ ہم سب ایک دوسرے کو حیرت سے دیکھتے ہوئے کمرے سے باہر آ گئے۔ چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔

اطلاع ملی کہ امریکا نے افغانستان پر حملہ کر دیا ہے۔ ظاہر ہے ہمیں دکھ اور افسوس ہوا کہ ایک مصیبت ٹلی تو دوسری سر پر آ مسلط ہوئی۔ چوں کہ رات کی تاریکی گہری تھی۔ معلومات حاصل کرنا مشکل تھا۔ امارت اسلامیہ کی قیادت بھی جنگی حکمت عملی کے تحت اپنے ٹھکانے تبدیل کر چکی تھی۔ اس لیے علم نہ ہو سکا کہ امریکی حملے میں کتنا نقصان ہوا ہے؟

ہم واپس اپنے کمرے میں آ گئے اور تازہ ترین صورت حال جاننے کے لیے ریڈیو آن کر دیا۔ تب افغانستان میں تازہ ترین صورت حال جاننے کے لیے واحد ذریعہ ریڈیو ہوا کرتا تھا۔ موجودہ دور کے جدید وسائل اور ذرائع ابلاغ جیسے انٹرنیٹ، فیس بک، وٹس ایپ، ٹوئیٹر اور دیگر ذرائع نہیں تھے۔ ریڈیو پر مشہور ریڈیو اسٹیشنوں 'بی بی سی' اور 'وائس آف امریکا' کی طرف سے تازہ ترین اور اہم خبر یہ چل رہی تھی کہ امریکا نے افغانستان پر حملہ کر دیا ہے، جس کی ہم آواز سن چکے تھے۔

بی بی سی اور وائس آف امریکا حملے کے حق میں جھوٹا پروپیگنڈا کر رہے تھے۔ انہوں نے امریکا کی خواہش پر مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈا کیا، جس کے باعث امارت اسلامیہ مجبور ہو گئی کہ وہ اپنے دور اقتدار کے آخری ایام میں بی بی سی کے افغان نمائندوں پر کچھ پابندیاں لگائے۔ بی بی سی پشتو اور فارسی نشریات کا اکثر حصہ امریکی حملے کے لیے مختص کر دیا گیا تھا۔ جارحانہ لہجے میں امارت اسلامیہ، مجاہدین، شیخ اسامہ بن لادن اور ان کے دوستوں کے خلاف پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا۔ جب کہ امریکا کی فتح کے بارے میں پیش گوئیاں اور تجزیے کیے جا رہے تھے۔

حملے کے کچھ دیر بعد بی بی سی نے اپنے نامہ نگار اور نامور صحافی رحیم اللہ یوسف زئی سے امریکی حملے کی تازہ ترین صورت حال کے بارے میں پوچھا۔ یوسف زئی نے نمائندے کو قندھار، کابل اور جلال آباد میں امریکی حملے کی کچھ تفصیلات کے حوالے سے بتایا کہ ہلاکتوں کے بارے میں تفصیلات کا پتا نہیں چل رہا۔ کیوں کہ رات بھی ہے اور افغانستان میں ٹیلی فون اور رابطے کے دیگر ذرائع کا فقدان ہے۔ اس لیے کسی سے رابطہ قائم کرنا ممکن نہیں ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ نے بی بی سی فارسی سروس سے گفتگو کرتے ہوئے امریکی حملے کا پُرجوش خیر مقدم کیا اور اس حملے کو کامیاب حکمتِ عملی قرار دیا۔ انہوں نے مزید نشان دہی کی کہ امریکا فلاں، فلاں مقامات پر بھی بمباری کرے۔ وہ امریکی حملے پر اتنے خوش اور شاداب تھے، جیسے احمد شاہ مسعود دوبارہ زندہ ہو گیا ہو!

کچھ دیر بعد پھر بمباری اور میزائل دھماکوں کی آوازیں سنی گئیں۔ مجاہدین نے بھی طیاروں کو مار گرانے کی کوشش کی، چوں کہ طیارے بہت زیادہ اونچائی پر محوِ پرواز تھے، اس لیے کوئی کامیابی بظاہر نظر نہیں آرہی تھی۔ مَیں افغانستان اور افغان عوام کی بے بسی پر بہت رنجیدہ ہوا۔ علامہ اقبال کا یہ شعر ذہن میں ابھر رہا تھا۔

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے

ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

خدا گواہ ہے کہ مَیں بہت پریشان اور اداس تھا کہ امریکی طیارے اتنی بلندی سے بمباری کر رہے تھے، جن کو نشانہ بنانا اور گرانا بہت مشکل کام تھا۔ یہ ہمارا جرم نہیں تھا، بلکہ پوری اسلامی دنیا اور بالخصوص مسلم حکمرانوں کے باہمی اختلافات اور لاحاصل جنگوں کا جرم تھا، جن کی وجہ سے انہوں نے اپنی پوری زندگی عیاشیوں میں گزار دی اور لاکھوں ڈالر ذاتی مفادات اور پُر عیش زندگی گزارنے پر خرچ کر ڈالے. جب کہ مسلمانوں کے اجتماعی مفادات، ان کی بقا اور دفاع پر دس ڈالر بھی خرچ نہیں کرتے۔

یقین کیجیے اگر اسلامی دنیا کے حکمران سائنسی اور جدید علوم پر دسترس حاصل کرنے کی کوشش کرتے اور مغرب کے مقابلے میں نئی نسل کو دینی بنیادوں پر جدید خطوط پر استوار کرتے تو آج مسلم دنیا کی یہ مظلومانہ حالت نہ ہوتی۔ بدقسمتی سے مسلم حکمرانوں کو مغرب نے آپس کے مسائل اور بحرانوں میں ایسا پھنسا دیا ہے کہ اب وہ آزادی کے لیے ہاتھ پاؤں مارنے کے قابل بھی نہیں رہے۔

پوری رات انہی سوچوں میں گزر گئی۔ صبح امریکی طیاروں کی بمباری اور کروز میزائل کے چونکا دینے والی زور دار آوازوں کے شور نے ہمیں نیند سے بیدار کر دیا۔ پہلی بار افق پر نحوست کی نشانیاں دیکھ کر بہت افسردہ ہوا۔ ہر باضمیر افغان کو دیکھتا تو وہ انجام سے بے خبر پریشانی اور سوچوں میں گم دکھائی دیتا۔ اور دوسری طرف دولت کے بچاریوں کو دیکھتا کہ وہ بڑی بے چینی سے عزت اور وقار اور افغانستان کو نیلام کرنے میں مصروف تھے۔ محبِ اسلام و وطن اور سرفروشانِ اسلام اور اپنے خطے کے دفاع کے لیے پہاڑوں میں میدانِ جنگ سجانے جا رہے تھے۔

معصوم بچوں کو اسی صبح امریکی طیاروں اور کروز میزائل کی خوف ناک آوازوں نے پیاری نیند سے اٹھا دیا۔ وہ نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ آج ماں کی لوری کے بجائے اتنے زور دار اور کان پھاڑ دینے والے دھماکوں کے ذریعے کیوں بیدار کیا گیا ہے؟ آسمان پر امریکی طیاروں اور ہیلی کاپٹروں کو دیکھ کر وہ حیران تھے اور اپنی ماؤں سے پوچھ رہے تھے کہ کل تو یہ فضا آزاد تھی، آج یہ گدھ کہاں سے آن ٹپکے ہیں؟

امریکا نے نئی نسل کی سوچ اور فکر کو بھی تبدیل کرنے کے لیے بھرپور کوشش کی، لیکن امریکی یلغار کی صبح کے وقت معصوم بچے سولہ برس بعد آج جوان اور سمجھ دار ہو گئے ہیں۔ وہ ان سوالوں کے جواب کا خود ادراک رکھتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کس نے انہیں سہانے خوابوں والی نیند سے جگایا تھا اور کس نے بموں سے ان کی ماؤں کی گودیں چھین لی ہیں اور کون ہے، جو ان کے گھروندے تباہ کر رہا ہے؟!

سولہ برس قبل کے وہ بچے آج مجاہد بن چکے ہیں۔ اب ان کے ہاتھوں میں بم، رائفل، بارود اور ہتھیار ہیں۔ وہ امریکا سے اپنی مظلومیت کا بدلہ لے رہے ہیں۔

برستے بموں کے درمیان عمان کانفرنس؟

معین احمد خروٹی

رواں سال عمان کے شہر مسقط میں امریکا، چین، پاکستان سمیت کابل کا صلح کے لیے چار رکنی مذاکرات کا انعقاد کیا گیا۔ یہ مذاکرات جنوری 2017 کو امریکا کی سربراہی میں اسلام آباد میں منعقد ہوئے تھے، لیکن نتیجہ خیز ثابت نہ ہونے کے باعث تعطل کا شکار تھے۔ مذکورہ سلسلۂ مذاکرات کا مقصد غاصبین کے مفادات کا تحفظ تھا۔ تاکہ اگر دوسرے فریق سے کوئی بات منوانا ہو تو وہ آنکھیں بند کر کے مان لے۔ غاصبین، ان کے کٹھ پتلی اور کاسہ لیس اتنے احمق ہیں، جو یہ سمجھتے ہیں کہ مجاہدین اتنے سادہ ہیں کہ سولہ سالہ مقدس جہاد میں دی گئی بے پناہ قربانیوں کو پس پشت ڈال کر وہ پالیسیاں قبول کر لی جائیں گی، جو کابل، اسلام آباد یا پھر مسقط میں امریکی چھتری تلے بن رہی ہیں۔

امریکا نے افغانستان میں وحشت و سربریت کو دوام دینے کے ساتھ ساتھ دنیا کو ورغلانے کے لیے اس نوعیت کی منافقانہ کانفرنسیں منعقد کرنا شروع کر رکھی ہیں۔ تاکہ دنیا کو یہ باور کرایا جاسکے کہ ہم تو افغانستان کے مسئلے کا حل چاہتے ہیں۔ کیا انہیں یاد نہیں کہ روزانہ کی بنیاد پر لاتعداد بم افغانوں کے گھروں، مسجدوں اور اسکولوں پر برسائے جا رہے ہیں؟ کیا وہ یہ بھول گئے کہ صرف ستمبر میں 751 بم افغانستان پر پھینکے گئے؟ غاصبین نے ایک طرف رواں سال کے آغاز سے عمان میں ایک کانفرنس کا انعقاد کر کے مذاکرات اور صلح کا شوشہ چھوڑا ہے تو دوسری جانب افغانستان پر 3000 ہزار بم پھینکے گئے۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ نو مہینوں میں 8 ہزار افغان شہری مارے جا چکے ہیں۔ امریکا کی منافقت اور دوغلا پن ملاحظہ ہو کہ ایک طرف نام نہاد صلح کے نام پر چند چوروں اور ڈاکوؤں کو میدان میں اتار رکھا ہے تو دوسری جانب کابل انتظامیہ کو پورے ملک میں فساد برپا کرنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔

ٹرمپ کی اعلان کردہ اسٹریٹیجک پالیسی کے بعد قندوز سے لے کر شین ڈنڈ، ہلمند، اروزگان، ننگرہار، کنڑ، لوگر، کابل اور پروان تک نو مرتبہ عوام پر بمباری کی گئی ہے۔ کئی مرتبہ انہوں نے خود اعتراف کیا کہ مرنے والے سبھی عام لوگ تھے، لیکن صلح کی اعلیٰ سطحی شوریٰ کے تمام ارکان نے ایک بار بھی غاصب قاتلوں سے پوچھنے کی زحمت گوارا نہیں کی کہ یوں بے دردی سے افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کا خون کیوں بہایا جا رہا ہے؟ جب صورت حال یہ ہے تو پھر کیوں کر مجاہدین اس ڈرامے کو صلح کا نام دیں؟ امریکا ہر بار صلح اور مذاکرات کا شوشہ اس لیے چھوڑ رہا ہے کہ زیادہ عرصے تک اپنے پٹھوؤں سے جنگ کا کام لے سکے۔ زیادہ عرصے تک افغانستان میں رہنے کا جواز پیدا کر سکے۔ افغانستان پر امریکا نے جارحانہ حملہ اس لیے کیا، تاکہ افغانستان کو غیر مستحکم کر کے اپنے ناجائز فوائد حاصل کر سکے۔ اس نے افغانستان پر ناجائز قبضے کے لیے ہی جارحانہ حملہ کیا اور قبضے کو طول دینے کے لیے جنگ چھیڑ رکھی ہے، لیکن افغانستان کے غیور عوام بخوبی جانتے ہیں کہ غاصبین کا صرف ایک ہی علاج (جہاد) ہے۔ جہاد ہی کے ذریعے ان کا خاتمہ ممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ امریکا اور اس کے کاسہ لیس دن رات اس کوشش میں رہتے ہیں کہ افغانوں کو جہاد سے بدظن کیا جائے، لیکن افغانوں نے یہ عزم کر رکھا ہے کہ جب تک غاصبین سے افغانستان آزاد کر کے اسلام کا عادلانہ نظام نافذ نہ کیا جاسکے، جہاد جاری رہے گا۔

کیا ٹرمپ کو پاگل کا کردار دیا گیا ہے؟

قاری حبیب

2016 میں جب ڈونلڈ ٹرمپ پہلی مرتبہ امریکی صدر کے طور پر نامزد ہو کر عام لوگوں کے سامنے آئے تو ان کے پاگل پنے اور بے تکی باتوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ٹرمپ کو پہلی بار شہرت ان کی اس بات سے ملی کہ ان کے حامیوں نے ایک سروے میں کہا کہ وہ سابق صدر ابراہام لنکن کی جانب سے امریکا میں سیاہ فاموں کی غلامی کے خاتمے کے شدید مخالف ہیں۔ ٹرمپ نے بعد ازاں کہا کہ جنوبی پڑوسی ملک میکسیکو کے ساتھ لگنے والی سرحد پر دیوار بنائیں گے اور اگر ضرورت پڑی تو شام میں داعش پر ایٹم بم گرادیں گے۔

اس طرح ٹرمپ جو اس سے قبل امریکی میڈیا اور اقتصادی حلقوں میں ایک ہوشیار سرمایہ کار اور ایک سمجھدار میڈیا سپیکر کی حیثیت سے مشہور تھے اچانک پاگل پنے کا ماسک پہن کر سامنے آگئے۔ ٹرمپ کا اچانک پاگل پن، صدارتی امیدوار بننا اور پھر اچانک غیر متوقع طور پر اپنے حریفوں پر برتری سے ایسا لگتا ہے کہ یہ سب امریکی تھنک ٹینک اداروں کی جانب سے طے شدہ منصوبے کے تحت ہوا تھا تاکہ آئندہ ایک ایسا صدر سامنے آسکے جس کے رعب، پاگل پن اور بے باکی کے خوف سے امریکا کے عالمی عزائم پورے ہوں اور دشمن بلا کسی جنگ اور اسلحہ کے استعمال کیے مرعوب ہوں۔

ٹرمپ اپنے پاگل پنے کے بیانات، بے سروپا باتوں اور گالیوں کے ساتھ بالآخر بھاری اکثریت کے ساتھ پہلے پارٹی امیدوار اور پھر حتمی مرحلے پر صدر بن کر وہائٹ ہاوس پہنچ گئے۔ ٹرمپ کی صدارت کو سال ہونے کو ہے مگر وہ اب تک اپنے پاگل پنے پر قائم ہے۔ ٹرمپ ٹیوٹر پر بالکل ایک بچے کی طرح رویہ رکھتا ہے اور ضدی بچے کی طرح بات بات پر اڑ جاتا ہے۔ ہر کسی کو رد عمل دکھاتا ہے۔ میڈیا سے کج بحثی، ایران اور شمالی کوریا پر غصہ اور انتخابات کے موقع پر اپنی حریف ہیلری کلنٹن پر ایسے لفظی حملے کرتا جو عالمی سفارتی وسیاسی آداب سے ذرہ بھر موافق نہیں ہیں۔ رواں سال اقوام متحدہ کی عالمی اسمبلی میں ٹرمپ نے اقوام متحدہ کے سٹیج سے ایسا بیان دیا کہ جس پر امریکا ہی کے بہت سے سفارتکار شرمندہ ہو کر رہ گئے۔ ٹرمپ نے کہا کہ وہ شمالی کوریا کو دنیا کے نقشے سے یکسر ختم کر کے مٹا دے گا۔ ایران کو بھی دھمکیاں دیں اور اپنی حماقت ماضی سے بڑھ کر لوگوں کے سامنے رکھ دی۔

ٹرمپ کا پاگل پن اپنی جگہ مگر سوال یہ ہے کہ کیا ٹرمپ واقعی پاگل ہے۔ کیا امریکا کا انتخابی معیار اتنا ہی گرا ہوا ہے کہ جو ایک پاگل بھی جمہوریت کی برکت سے وہائٹ ہاوس تک پہنچ سکتا ہے۔ کیا امریکا کی سٹریٹجک بنیادیں اور اسٹیبلیشمنٹ اس بات کی اجازت دیتی ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی ایٹمی قوت اور مسلح ترین طاقت ایک پاگل کے ہاتھ دی جائے؟

ان سوالات پر گہری نگاہ ڈالی جائے تو جواب منفی آتا ہے۔ کبھی نہیں۔ اس کا امکان ہی نہیں۔ کیوں کہ پاگل ہر معاشرے میں غیر ذمہ دار قرار دیا گیا ہے اور بہت ادنی سی ذمہ داریاں بھی اس کے حوالے نہیں کی جاتیں۔ جب ایسا ہے تو ٹرمپ کے معمے کا حل کیا ہے؟

بات یہ ہے کہ معاصر سیاسی ثقافت کی ڈکشنری میں ہر عوامی اور غیر عوامی ملک کے لیے سب سے بڑا مقصد ملک کے قومی مفادات کا تحفظ اور ان کی ترقی و مضبوطی کے اقدامات ہیں۔ قومی مفادات کے تحفظ کے لیے ہر طرح کے اقدامات

کو جواز بخشا جاتا ہے اور انہیں پورا کیا جاتا ہے۔ قومی مفادات کا تحفظ کبھی جنگ کے ذریعے ہوتا ہے اور کبھی امن اور بہتر تعلقات کے ذریعے۔ مغرب کے معاصر سیاسی مفکر چرچل کی یہ بات اس حوالے سے پتھر کی لکیر سمجھی جاتی ہے کہ ہمارے دوست دائمی ہیں نہ ہمارے دشمن۔ بلکہ ہمارے مفادات دائمی ہیں۔

رواں صدی کے پہلے عشرے کے کچھ سلسلوں نے عالمی سطح پر امریکا کے اس اعتماد اور اس حیثیت کو نقصان پہنچایا جو چند سال قبل وہ رکھتا تھا۔ افغانستان کی جنگ میں ناکامی اور عراق میں نقصانات اور فرار، اسی طرح چین اور روس کی پھر سے اٹھان نے امریکا کی عالمی حیثیت سے کو نقصان پہنچایا ہے۔ بالفاظ دیگر اب دنیا کے ممالک امریکا سے اتنا نہیں ڈرتے جتنا بیسویں صدی کے آخری عشرے میں ڈرتے تھے۔ امریکا کا افغانستان اور عراق میں جنگ اور زور آزمائی کا تجربہ بھی ناکام ہو گیا۔ عسکری اقدامات اور جارحیت کے راستے کا انتخاب انہیں غلط راستہ لگتا ہے۔

امریکا دنیا کے کمزور ممالک کو اپنے رعب اور دہشت میں رکھنا چاہتا ہے اس لیے امریکا کے اسٹریٹجک دماغ نے منصوبہ بنایا کہ امریکا کی حکومت ایک ایسے شخص کے حوالے کی جائے جسے دنیا ایک عام آدمی کے طور پر نہیں بلکہ ایک پاگل طور پر پہچانے اور بلا مزاحمت اس کے مطالبے تسلیم کیے جائیں۔

عام عرف یہ ہے کہ لوگ ایک پاگل شخص سے رحم، نرمی، تنزل اور بہتر معاملات کی توقع نہیں رکھتے۔ پاگل انسان کے ہاتھ میں اگر گن ہو تو لوگ کچھ بھی کہے بغیر اس کا مطالبہ مانتے ہیں۔ اگر اسلحہ ہوشیار آدمی کے ہاتھ میں ہو تو لوگوں کی کوشش ہوتی ہے کہ اس کو سمجھائیں اور مطمئن کر دیں۔

اسی لیے تو امریکی اسٹیبلیشمنٹ نے ٹرمپ کے لیے پاگل کا کردار چن لیا۔ تاکہ اس دانا اور بہترین سپیکر کو وہائٹ ہاوس کے حکمران کے طور پر بروئے کار لایا جائے۔ میڈیا نے پوری کوشش کی کہ انتخاب سے قبل ان کو پاگل کی حیثیت سے دنیا میں متعارف کرائیں۔ میڈیا نے ہمیشہ اس کی معقول باتوں کی بجائے نامعقول باتوں کو ہوا دی۔ تاکہ اس کا پاگل پن لوگوں کے دلوں میں بیٹھ جائے۔ ٹرمپ نے اپنا پاگل پن برقرار رکھا ہے مگر یہ پاگل ایک مصنوعی پاگل پن ہے۔ ٹرمپ درحقیقت پاگل نہیں ہے اور نہ اتنا احمق ہے کہ ایسے غیر ذمہ دارانہ بیانات اور اقدمات کرے۔ انہیں امریکا کی عالمی اسٹریٹیجی کے طے شدہ ڈرامے میں پاگل کا کردار دیا گیا ہے۔

چونکہ ٹرمپ پاگل نہیں ہے بلکہ جان بوجھ کر پاگل پناد کھا رہا ہے اور یہ سب کچھ ایک تحقیقی منصوبے کے طور پر کیا جا رہا ہے۔ اس کا ایک ثبوت وہ افشاء شدہ معلومات ہیں کہ امریکا کے 96 سالہ اسٹریٹجسٹ اور ممتاز مفکر ہنری کسنجر کی ہمیشہ ٹرمپ سے ملاقات رہی ہے اور وہ انہیں سیاست کا کھیل بہتر انداز میں کھیلنے کی رہنمائی دیتے رہے ہیں۔

اصل میں تاریخ دیکھی جائے تو امریکا کی ساری سیاست ایسی مرتب کی گئی ہے کہ امریکی سیاست جو ریپلکن اور ڈیموکریٹک جماعتوں سے تشکیل پاتی ہے۔ ڈیموکریٹک صلح پسند ہیں اور کھلی سیاست کرتے ہیں۔ جنگ اور کشیدگی سے نفرت کرتے ہیں جبکہ ریپبلکن بش اور ٹرمپ کے جیسے جنگ کے نقارے بجاتے ہیں۔ درحقیقت یہ سرد اور گرم کا سلسلہ یا عاقلانہ اور احمقانہ پالیسیوں میں امریکا کے مفادات ملحوظ ہوتے ہیں اور امریکا کے عالمی مفادات کے تحفظ کے لیے ایسی پالیسیاں پسند کی جاتی ہیں۔

آخری بات یہ ہے ٹرمپ کے ساتھ پاگلوں والا رویہ نہ رکھا جائے۔ اور نہ اس کی دھمکیوں اور بھڑکیوں سے خوف کھایا جائے۔ وہ ایک گہرے منصوبے کے ساتھ یہ کردار نبھا رہے ہیں۔ اسے ایک ذمہ دار امریکی صدر کے طور پر پہچانا جائے اور اسی زاویے سے اس کے ساتھ سلوک روا رکھا جائے اس کی فن کاری کا اثر قبول نہ کیا جائے۔

امریکا، داعش اور کرزئی

اسلم امید

ایک وقت تھا حامد کرزئی امریکا کے لیے سب سے زیادہ محترم تھے۔ امریکیوں نے علاقائی سطح پر انہیں ہوشیار، عقل مند، مدبر اور دلیر جیسے القابات سے نوازا تھا۔ مغربی میڈیا میں بھی انہیں بہترین اور محنتی صدر کی حیثیت سے باور کرایا جاتا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ حامد کرزئی نمک حرام نہیں تھے، بلکہ وہ خلوص دل کے ساتھ امریکا کی خدمت کرتے رہے ہیں۔ وہ کئی مرتبہ ایک ماہر مداری اور پیروڈی کی طرح لوگوں کے ساتھ اظہار ہمدردی کے لیے روئے بھی ہیں۔ شمالی اتحاد کو خوش رکھنے کے لیے ان کے مفادات پورے کرتے رہے۔ مسعود اور استاد گرامی کی قبروں پر بہتے آنسوؤں کے ساتھ لی گئی تصویر تو بہت مشہور ہے۔ کبھی کبھار امریکا کو بھی آنکھیں دکھاتے پائے گئے ہیں۔ بالخصوص اپنے دور اقتدار کے آخری ایام میں اسٹریٹجی پر دستخط کرنے سے بھی صاف انکار کر دیا، جس پر بعد ازاں اشرف غنی نے دستخط کیے۔

کچھ دن قبل حامد کرزئی امریکا گئے۔ انہوں نے وہاں ایک کانفرنس میں کہا کہ ٹرمپ کی اسٹریٹجک پالیسی افغانستان کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔' ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا کہ 'داعش کو امریکا نے بنا کر افغانستان کی سالمیت کو غارت کرنے کی کوشش کی ہے۔' حامد کرزئی کا یہ بیان درست ہے۔ کیوں کہ کرزئی امریکا کے لیے گھر کا بندہ ہے۔ یہ تو صرف اعلان بیان تھا۔ ظاہر ہے کرزئی کے پاس اس پر ناقابل تردید دلائل اور شواہد بھی ہوں گے۔ البتہ سوال یہ ہے کہ وہ کون سے عوامل ہیں، جو کرزئی کو امریکا کے خلاف بیان دینے پر بھی اکسا رہے ہیں؟ ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ چند عوامل کی وجہ سے کرزئی کو کبھی کبھار ایسی باتیں کرنا پڑتی ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ کہ حامد کرزئی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ امریکا ان کو اتنی جلد صدارت سے فارغ کر کے گھر بھیج دیں گے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ طویل عرصے تک افغانستان کے بلاشرکت غیرے حکمران رہیں گے۔ جب کہ امریکا کی چالاکی یہ تھی کہ سب سے پہلے انہیں اس وجہ سے اقتدار سونپا کہ وہ افغانوں کے مزاج و مذاق سے واقف تھے۔ دوسرا یہ کہ کرزئی نسلاً افغانی قندھاری ہیں۔ جب کہ اُس وقت مجاہدین کی کارروائیوں کا مرکز بھی زیادہ تر قندھار ہی تھا۔ اس وجہ سے کرزئی کو دیگر کاسہ لیسوں سے کچھ زیادہ اہمیت دی گئی۔ جب امریکی افغانوں کے مزاج و مذاق سے خود کسی حد تک واقف ہو گئے تو پھر کرزئی کو استعمال شدہ ٹشو پیپر کی پھینک کر ان کی جگہ اشرف غنی اور عبداللہ عبداللہ کو لایا گیا۔ جب کرزئی نے اپنے اقتدار کا سورج ڈوبتے دیکھا تو اسٹریٹجک معاہدے پر دستخط کو اس شرط کے ساتھ مشروط کر دیا کہ ان کے اقتدار کو کوئی نقصان نہ پہنچنے پائے، لیکن امریکیوں کو علم تھا کہ کرزئی نے افغان عوام میں اعتماد کھو دیا ہے۔ انہیں مزید اقتدار کی مسند پر بٹھانا خود امریکا کے لیے نقصان دہ ہے۔ اسی لیے انہیں اقتدار سے ہٹا دیا گیا۔

ایک وجہ یہ بھی تھی کرزئی پشتون اور قندھاری النسل ہیں۔ ان کے اپنی قبیلے کے لیے یہ بات سخت شرمندگی اور ندامت کا باعث تھی کہ کرزئی انہی میں سے ہیں اور انہیں افغانستان کے عوام دوسرا 'شاہ شجاع' (افغانستان کا ایک غدار کردار) کہہ کر پکارتے ہیں، جو ان کے لیے نہایت ہی عار کی بات ہے۔ یہی وجہ ہے کرزئی صاحب کی کوشش رہتی ہے کہ اب محض زبانی جمع خرچ کے ساتھ تاریخ کے فیصلے سے خود کو بچا سکیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ تاریخ میں محض زبانی جمع خرچ کے بل بوتے پر الزامات براءت نہیں مل پاتی۔ اس کے لیے علی الاعلان امریکا اور اس کے اتحادیوں کے خلاف اعلانِ جہاد کرنا ہوگا۔ دوسری طرف کرزئی میں ایمان کی اتنی رمق نہیں ہے کہ وہ باقاعدہ امریکا کے خلاف علم جہاد بلند کریں۔

11 میزان کو کرزئی نے اعتراف کیا کہ داعش امریکا کی پیداوار ہے۔ امریکا ہی اسے افغانستان لانا چاہتا ہے۔ کرزئی کی یہ گواہی گھر کے بندے کی گواہی ہے۔ جس میں سو فیصد صداقت ہے۔ ان کا یہ اعتراف زندہ ثبوت کی حیثیت رکھتا ہے کہ افغانستان کی فضا امریکا کنٹرول کرتا ہے۔ افغانستان مُس میں نصب تمام ریڈارز کی نگرانی امریکا کے پاس ہے۔ اس کی اجازت کے بغیر کوئی طیارہ پرواز نہیں کر سکتا۔ امریکی طیارے داعش کے جنگجوؤں کو مختلف مقامات پر اتار کر انہیں جنگ کے لیے استعمال کرتا ہے۔ امریکا ہی داعش کو اسلحہ فراہم کرتا ہے۔ اس وجہ سے حامد کرزئی کا اعتراف کسی معمولی شخص کا اعتراف نہیں ہے، بلکہ حامد کرزئی خود امریکی سازشوں میں شریک رہے ہیں۔ یہ الگ بات کہ وہ محض مفادات کی جنگ میں امریکا سے ناراض ہو کر حقائق بیان کر رہے ہیں۔ یہ حقائق اب انہی کے خلاف وائٹ پیپر ہے۔ حامد کرزئی مزید خوار و ذلیل ہوں گے۔ کیوں کہ سیکڑوں مسلمانوں کا ناحق خون انہی کی وجہ سے بہایا گیا ہے۔ محسوس ہوتا ہے کہ مظلوم شہداء کا خون رنگ لا رہا ہے۔ اب حامد کرزئی اپنے ہی اتحادیوں کے ہاتھوں ذلیل ہو رہے ہیں۔

دنیا کے مشہور نظامہائے حکومت

سعید زرمتی

روئے زمین پر انسان کی بڑی ذمہ داریوں میں سے عادلانہ نظام یا خلافت کا قیام ہے۔ عقلی نقطہ نظر سے بھی انسان کی مجبوری ہے کہ اپنی اجتماعی زندگی کی تنظیم، بہبود اور اپنے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لیے سیاسی حاکمیت قائم کرے۔ اسی لیے انسانوں نے زمین پر زندگی کے آغاز کے ساتھ ہی سیاست اور حکومت داری کی جانب رخ کیا۔ اور طرح طرح کے حکومتی نظاموں کا تجربہ کیا۔

معاصر دور میں مختلف حصوں میں تبدیلیوں کے پس پردہ حکومت داری کے نظام بھی ماضی کی بنسبت متنوع ہوگئے ہیں اور حکومت چلانے کے نئے طریقے رائج ہوگئے ہیں۔ یوں تو دنیا بھر میں کہیں بھی دو ممالک ایسے نہیں ملیں گے جن کے نظام حکومت بعینہ ایک جیسے ہوں۔ ہر قوم اور ملک نے اپنے حالات اور مفادات کے تناظر میں اپنے لیے حکومتداری کے اپنے نظام منتخب کیے ہیں جن میں کچھ انتہائی پیچیدہ اور نادر ہیں۔

مگر عالمی سطح پر حکومتداری کے سب سے مشہور اور متعارف نظاموں کا مطالعہ کیا جائے تو سب کل ملا کر تین قسم کے نظام ہیں جن میں سے اکثر ابھی بھی حکومت قائم کیے ہوئے ہیں۔ حکومت چلانے کے تین بڑے نظریات، اسلامی، جمہوری اور شاہی نظاموں سے عبارت ہیں جس کی جانب مختصراً اشارہ کرتے ہیں۔

اسلامی حکومت:

اسلامی نقطہ نگاہ سے حکومت کا تسلیم شدہ طرز حکومت اسلامی امارت یا خلافت ہے۔ باوجود اس کے کہ اسلامی حاکمیت کے ڈھانچے کی بناوٹ پر دینی علماء نے بہت سی بحثیں کی ہیں اور کچھ حصوں میں متفق نہیں ہیں مگر اکثر دینی علماء کرام کی نظر سے اسلامی حکومت کے اہم ارکان امیر یا زعیم، شوری، قوت اجرائیہ، انتظامی مشینری، قوت قضائیہ، گورنرز اور فوج ہیں۔

اسلامی حکومت کا سربراہ تغلب، شوری یا استخلاف کے طریقے سے چنا جاتا ہے۔ امیر نظام کا سربراہ ہوتا ہے۔ شوری امیر کو مشورہ دیتا ہے۔ قوت قضائیہ امیر کی وکالت اور حمایت سے شرعی فیصلے کرتا ہے اور ایک مستقل رکن کی حیثیت سے بڑے اعتماد کا حامل سمجھا جاتا ہے۔ قوت اجرائیہ وزراء یا حکومت اسی طرح گورنرز اور فوج امیر کو جواب دہ سمجھے جاتے ہیں اور وہ امیر سے ہدایات لیتے ہیں۔

افسوس کہ اس وقت روئے زمین پر ایسا کوئی ملک موجود نہیں جہاں اسلامی حکومت قائم ہے۔ گذشتہ دہائی میں اس طرز حکومت کی مثال امارت اسلامیہ افغانستان تھا۔ جس پر سترہ سال قبل عالمی جارحیت پسندوں نے حملہ کر دیا۔ افغانستان کی دارالحکومت اور شہروں کا اقتدار ان کے ہاتھوں سے نکل گیا مگر افغانستان کے مضافاتی علاقوں میں آج بھی موجود ہیں۔

جمہوری نظام

معاصر دنیا میں وہ نظام جو جمہوری یا ڈیموکریٹک سمجھے جاتے ہیں اہم ترین ان میں سے چار ہیں۔

1۔ ریاستی

ریاستی نظام اس نظام کو کہا جاتا ہے جس میں حکومت کے تین ستون مقننہ، اجرائیہ اور قضائیہ ایک دوسرے سے مکمل طور پر الگ ہوتے ہیں۔ ریاستی نظام میں صدر کا انتخاب لوگوں کی باقاعدہ رائے دہی سے ہوتا ہے اور آغاز ہی سے ریاست جمہوری کے نام سے عام انتخابات ہوتے ہیں۔ اس طرز حکومت میں صدر ریاست

اور حکومت دونوں کا سربراہ سمجھا جاتا ہے۔ پارلیمنٹ کے پاس صدر کی معزولی کا اختیار نہیں ہوتا۔ ریاستی نظام میں صدر کے پہلو میں بادشاہ یا وزیر اعظم کے عنوان سے اس کے ماتحت کوئی نہیں ہوتا۔ دیگر نظاموں کی بنسبت اس نظام میں صدر کے پاس زیادہ اختیارات ہوتے ہیں۔ اکثر ریاستی نظاموں میں صدر کی جانب سے متعارف کردہ وزراء کو پارلیمنٹ کا اعتماد حاصل کرنا ضروری ہوتا ہے البتہ پارلیمنٹ کو اختیار نہیں ہوتا کہ وہ کسی وزیر کا تقرر کرے یا اسے معزول کردے۔ موجودہ دور میں افغانستان، امریکا، جنوبی امریکا کے اکثر ممالک، وسطی ایشیا اور افریقا کے بہت سے ممالک میں ریاستی نظاموں کی حاکمیت ہے۔

2۔ پارلمانی

ڈیموکریٹک نظاموں میں سے دوسری قسم پارلیمانی نظام ہے۔ پارلیمانی نظام کے اجرائیہ اور مقننہ کے درمیان واضح تفریق نہیں ہوتی۔ اصلا قوت اجرائیہ پارلیمنٹ سے قانونی حیثیت اور اعتماد حاصل کرتی ہے۔ پارلیمانی نظاموں میں سربراہ حکومت کے انتخاب کے لیے براہ راست انتخابات نہیں ہوتے بلکہ پہلے پارلیمنٹ کے لیے انتخابات ہوتے ہیں پھر پارلیمنٹ میں جو پارٹی اکثریتی نشستیں حاصل کرتی ہے وہ اپنے ارکان میں سے ایک شخص کو وزیر اعظم کے طور پر پیش کرتی ہے اور اعتماد کا ووٹ اسے دیتی ہے۔ اسی طرح کابینہ کے ارکان یا وزراء کا انتخاب بھی پارلیمنٹ میں سے ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ کو قوت اجرائیہ پر گہرا اثر ورسوخ ہوتا ہے۔ پارلیمنٹ چاہے تو وزیر اعظم اور کابینہ کے ارکان کو براہ راست معزول کرسکتا ہے۔ پارلیمانی نظاموں میں وزیر اعظم حکومت کا سربراہ ہوتا ہے اور صدر ریاست کا سربراہ سمجھا جاتا ہے۔ حکومتی امور میں تقریبا تمام کارکردگی وزیر اعظم کی ہوتی ہے اور صدر کی حیثیت صرف ایک تشریفاتی ہوتی ہے جو حکومتی اداروں کے درمیان تنازعات کے لیے حل کے لیے کوشش کرتی ہے۔ پارلیمانی نظام کی مثالیں پاکستان، ہندوستان، اسرائیل اور کئی دیگر ممالک کی حکومتیں ہیں۔

3۔ نیم صدارتی

نیم ریاستی جسے ریاستی پارلیمانی نظام بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نظام کی وہ شکل ہے جس میں وہ کچھ شعبوں میں ریاستی اور کچھ شعبوں میں پارلیمانی نظام سے مشابہت رکھتا ہے۔ اس طرح کے نظاموں میں صدر عام لوگوں کے براہ راست انتخاب سے منتخب ہوتا ہے مگر وہ پارلیمنٹ کو جواب دہ ہوتا ہے۔ اس نظام میں صدر کی حیثیت صرف تشریفاتی نہیں ہوتی بلکہ وزیر اعظم کے ساتھ حکومت چلانے میں برابر کا فعال ہوتا ہے۔ ریاستی نظام کے ساتھ اس نظام کی مشابہت صدر کے وسیع تر اختیارات اور صدر کے براہ راست انتخاب کی صورت میں ہوتا ہے۔ اور پارلیمانی نظام کے ساتھ اس کی مشابہت یہ ہے کہ پارلیمنٹ صدر اور قوت اجرائیہ پر اس قدر موثر ہوتا ہے کہ حکومت کو تحلیل کرسکتا ہے۔

اکثر نیم صدارتی نظاموں میں صدر کے ساتھ ساتھ وزیر اعظم کا عہدہ بھی ہوتا ہے مگر کچھ اس طرح کے نظاموں میں وزیر اعظم کا عہدہ ختم کردیا گیا ہے۔ تاکہ حکومت کے دو سربراہان کے آپس کے تنازعات کا راستہ روکا جاسکے۔ نیم ریاستی نظاموں کی مثال روس، لبنان اور فرانس کے حکومتی نظام ہیں۔

4۔ ایک جماعتی

ایک جماعتی نظام جمہوریت میں کمیونسٹ تعبیر کی میراث سمجھا جاتا ہے اس طرح کے نظاموں میں قانون کے مطابق صرف ایک ہی جماعت اور اس سے وابستہ سیاسی شخصیات کو حکومت کرنے اور امیدوار بننے کا حق حاصل ہوتا ہے۔ مثلا چین اور کیوبا میں صرف وہ لوگ انتخابات میں صدارت کے لیے امیدوار نامزد ہوسکتے ہیں جو کمیونسٹ پارٹی کے رکن ہوں۔ شام میں بعث پارٹی کی رکنیت شرط سمجھی جاتی ہے اس طرح کے نظاموں میں جمہوریت اپنے عمومی اکثریت کے مفہوم میں نہیں بلکہ جماعت کے اندر کثرت حاصل کرنے کے معنی میں ہے۔ اس طرح کے نظاموں میں صرف چہرے بدلتے ہیں حکومتی پالیسیاں تنظیم کے منہج کی روشنی میں اپنے حال پر رہوتی ہیں۔

ایران کی حکومت اگرچہ عالمی سطح پر حکومت داری کا سب سے پیچیدہ اور نادر

نمونہ ہے مگر دیگر نظاموں کی بنسبت یہ ایک جماعتی نظام سے مشابہت رکھتا ہے ۔کیوں کہ ایران میں صرف وہ شخص صدارت کا امیدوار ہو سکتا ہے جو ولایت فقیہ اور خمینی کے سیاسی نقطہ نظر سے موافق ہو۔ اس کے علاوہ ہر امیدوار شوری نگہبان کی جانب سے مسترد کیا جاتا ہے مگر ایرانی نظام پر عوامی حکومت کا اطلاق اس لیے غلط ہے کہ تمام اداروں پر رہبر کے نام سے مطلق اختیارات کا مالک شخص موجود ہے۔

شاہی نظام

شاہی نظام حکومت داری کا ایک بہت پرانا نمونہ ہے جس نے اسلامی دنیا پر بھی بہت عرصہ حکومت کی ہے۔ شاہی نظام میں بادشاہ ملک، حکومت اور تمام اجرات کا مختار سمجھا جاتا ہے۔ اکثر شاہی نظاموں کے آئین نہیں ہیں۔ اس لیے کہ بادشاہ نہیں چاہتا کہ وہ کسی قانونی پابندیوں میں جھکڑا جائے۔

شاہی نظام دو قسم پر ہیں۔ مطلق شاہی اور مشروط شاہی۔

مطلق شاہی

سابقہ شاہی نظام سب مطلق شاہی نظام رکھنے والے تھے۔ یعنی بادشاہ مطلق اختیارات رکھتا تھا۔ تمام اداروں کا اختیار بادشاہ کے پاس ہوتا ہے۔ اس طرح کے نظاموں میں پارلیمنٹ موجود نہیں ہے اور کوئی ایسی اکائی نہیں ہے جس کے آگے بادشاہ بھی جواب دہ ہو۔ ان نظاموں کی موجودہ مثال سعودی عرب، عمان اور کچھ خلیجی ممالک کے نظام ہیں۔ افغانستان میں 1342ح ش سے قبل افغانستان کے تمام نظام مطلق شاہی تھے۔

مشروط شاہی

یورپ میں رنسانس کے دورے کے آغاز کے ساتھ ہی اس فکر کو قوت ملی کہ بادشاہوں کے مطلق العنان اختیارات کو ممکنہ حد تک مشروط ہونا چاہیے۔ یعنی کچھ امور کے اختیارات بادشاہ کے علاوہ دیگر لوگوں کے پاس بھی ہونے چاہیں۔ اس طرح یورپین ممالک میں بادشاہ کے ساتھ ساتھ پارلیمنٹ اور وزیر اعظم کا تصور سامنے آیا۔ بادشاہ کو قومی یکجہتی کی علامت کے طور پر تشریفاتی منصب عطا کیا گیا اور حکومتی امور یا قوت اجرائیہ کا اختیار وزیر اعظم کو منتقل کیا گیا۔

بادشاہ کے مطلق اختیارات کی کمی یا محدود کرنے کی تحریک کو بعد ازاں مشروطیت کی تحریک کا نام دیا گیا۔ دسویں صدی عیسوی یہ تحریک زوروں پر تھی جس کے نتیجے میں بہت سے مطلق العنان بادشاہتیں مشروط بادشاہتوں میں بدل گئیں۔

افغانستان میں بھی بیسویں صدی کے آغاز کے ساتھ امیر حبیب اللہ خان کے دور میں مشروطیت کی تحریک شروع ہوگئی جو حکومتی رد عمل کا شکار ہوگئیں اور اکثر رہنماؤں کو پھانسی دے دی گئی۔ بیسویں صدی کے وسط میں جب عالمی سطح پر جمہوریت اور عوام کی حق رائے دہی کے نعرے زوروں پر تھے۔ افغانستان کے بادشاہ محمد ظاہر شاہ نے کسی حد تک اپنی حکومت میں دیگر لوگوں کی شمولیت کا ڈھونگ رچانے کے لیے اپنی مطلق العنان بادشاہت کو مشروط شاہی میں بدل دیا۔ جس کے نتیجے میں افغانستان کا آئین بنایا گیا۔ پارلیمنٹ سامنے آیا اور حکومتی امور کا اختیار پارلیمنٹ کے ذریعے وزیر اعظم کو دیا گیا۔

مشروط شاہی سسٹم اب بھی دنیا میں رائج ہے۔ برطانیہ، جاپان، ناروے، ہالینڈ اور بہت سے دیگر ممالک میں یہ یہی نظام موجود ہے مگر وقت گذرنے کے ساتھ ساتھ اس طرح کے نظاموں میں بادشاہ کے اختیارات اور دیگر نقوش پھیکے پڑ گئے ہیں۔ اب صرف ایک تاریخی نمائش کی حیثیت رہ گئی ہے۔ اکثر مشروط شاہی نظاموں میں اصل اختیارات پارلیمنٹ کے پاس ہوتے ہیں جو وزیر اعظم اور حکومت کا تعین اور تمام امور پر کنٹرول رکھتے ہیں۔

طالبان کی سیاست نے صلیب کا خواب چکنا چور کر دیا

سعد کٹوازی

اشرف غنی نے امریکی صدر ٹرمپ سے مطالبہ کیا کہ وہ قطر میں طالبان کا سیاسی دفتر بند کرانے میں کردار ادا کریں، اس مطالبے میں کتنا وزن ہو گا، مجھے معروف ادیب گل پاچا الفت کی کہانی یاد آئی:

وہ کہتے ہیں کہ ایک دن گاڑی میں میرے ساتھ ایک خانزادہ بیٹھا ہوا تھا اور مجھے پرانے دور کی کہانیاں سنا رہا تھا کہنے لگا کہ پرانے دور میں خان اور عام لوگوں میں یہ فرق ہوتا تھا کہ خان گھوڑے پر سوار ہو کر جاتے تھے جبکہ غریب اور عام لوگ پیدل سفر کرتے تھے لیکن چونکہ آج کل گاڑیوں کا دور ہے، غریب اور خان دونوں گاڑیوں میں سفر کرتے ہیں اس لئے خانی کی رونق ختم ہو گئی، ان کا مطلب یہ تھا کہ خانی اور وڈیرہ شاہی کا دور ختم ہوا، آج کل غریب بھی وڈیرہ اور خان کی طرح گاڑیوں میں سوار ہوتے ہیں اور سفر کرتے ہیں

طالبان نے عسکری معرکے کی تاریخ میں سب سے بڑی طاقت اور سپر پاور صلیبی اتحاد کو شکست دینے کا معرکہ سر کیا اور پھر سیاسی میدان میں بھی کامیابی حاصل کی اور اس کے بعد میدان جنگ میں ان ہتھیاروں، ٹینکوں اور فوجی گاڑیوں کو ضبط کیا اور انہی چیزوں سے وہ دشمن کے خلاف بر سر پیکار ہیں، ان ہتھیاروں اور فوجی وسائل کو حاصل کیا جو غیر ملکی قابض قوتیں افغان فورسز کو بھی دینا نہیں چاہتیں، اب سیاست کے میدان میں بھی طالبان سرخرو ہو گئے ہیں، میدان کارزار کے شہسوار بھی طالبان ہیں اور امریکہ کے جدید وسائل سے بھی طالبان لیس ہیں تو افسر شاہی کا دور ختم ہوا، غریب اور وڈیرہ یکساں ہو گئے

اگر ٹرمپ کی نظریں ایک بار طالبان کی بھرپور اور مضبوط طاقت پر لگ گئیں تو میڈیا میں شہ سرخیاں شائع ہو جائیں گی، کیا یہ ممکن بھی ہے یا نہیں؟ کس کو فائدہ اور کس کو نقصان ہو گا؟ اور مجموعی طور پر وہ کیا کریں گے اور اس کا نتیجہ کیا ہو گا؟ یہ سب کچھ وقت اور ان پر چھوڑ دیا جائے گا۔ طالبان کے سیاسی دفتر کے بارے میں جو کچھ کہا جاتا تھا اور جو تجزیے اور تبصرے پیش کئے جاتے تھے لیکن قابض قوتوں کا موقف ابتداء سے آج تک واضح نہیں ہوا اور اگر کچھ واضح ہوا ہے تو صرف ان کی دوغلی پالیسی اور طالبان کے موقف کی مخالفت ہے۔

طالبان کا موقف واضح تھا اور ہے، قابض قوتوں اور کٹھ پتلی حکمرانوں نے امن کے خوبصورت عنوان کے تحت یہ حربہ استعمال کیا کہ طالبان قیام امن کے مخالف ہیں اور مذاکرات پر یقین نہیں رکھتے ہیں، طالبان نے کہا کہ مذاکرات اور مفاہمت کے لئے ایک دفتر کی ضرورت ہے تاکہ مذاکرات میں کسی کی مداخلت اور اثر نہ ہو، اسی لئے انہوں نے سیاسی دفتر کا افتتاح کر کے امن اور مذاکرات کے نمائشی مطالبے کا خیر مقدم کیا لیکن چونکہ وہ امن اور مذاکرات کے حامی نہیں تھے اسی لئے طالبان کے شرعی قانونی مطالبات اور قوم کی سفارشات کو قبول کرنے سے انکار کیا اور مذاکرات کی میز سے راہ فرار اختیار کرتے ہوئے طالبان پر اس کا الزام عائد کیا۔

طالبان نے اگرچہ اس امن کو حاصل نہیں کیا جس کے حصول کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا لیکن اس کے علاوہ انہوں نے اہم کامیابیاں حاصل کیں جو اس دفتر کے قیام کے بغیر ایک ناممکن کام تھا، ان کامیابیوں کی فہرست میں دنیا تک اپنا پیغام پہنچانا، اپنے بارے میں انہیں قائل کرنا، کچھ ممالک کے ساتھ سیاسی اور سفارتی تعلقات قائم کرنا، اپنا آئندہ کا لائحہ عمل طے کر کے دنیا کے سامنے رکھنا، مجاہدین کے بارے میں لوگوں کے شکوک و شبہات کو دور کرنا اور سب سے بڑھ کر اس دفتر کے ذریعے گوانتاناموجیل میں پانچ قیدی رہنماؤں کی رہائی شامل ہیں، اب اگر اس دفتر کو بند بھی کر دیا گیا تو ان پانچ رہنماؤں میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ ملک میں سیاسی دفتر کا ایجنڈا آگے بڑھا سکتا ہے، تو دراصل طالبان کی جانب سے سیاسی دفتر کا قیام ان کی سیاسی بصیرت کی سب سے نشانی اور واضح دلیل ہے جس کے بارے میں عام لوگ زیادہ نہیں سمجھتے تھے۔

ٹرمپ نے اس مطالبے کا ایک ایسی خالی کھوپڑی کے ساتھ اعادہ کیا جیسا کہ طالبان کے سیاسی دفتر کے قیام میں ان کے ہاتھ کے علاوہ پاؤں بھی ہیں، مطلب یہ کہ دفتر کے تمام اخراجات امریکہ کے ذمہ ہیں لیکن اگر اس کا مطلب یہ لیا جائے کہ انہوں نے طالبان کو مقابلے کے لئے بلایا تھا تو انہوں نے بڑی بہادری سے مقابلہ کیا اور جیت بھی گئے، اب چونکہ یہ کھیل ختم ہوا تو دفتر کو بھی بند کر دینا چاہیے، اس حوالے سے تو واقعی ان کے ہاتھ اور پاؤں دونوں ملوث تھے، لیکن دفتر کو دوبارہ بند کرنے کا مطالبہ شرمناک ہے انہیں یہ مطالبہ کرتے ہوئے شرم آنی چاہیے، دفتر کو بند کرنا یا برقرار رکھنا طالبان کا معاملہ ہے، دوسری بات یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ بھی ہوا کہ طالبان کی مزاحمت میں بھی امریکہ کا عمل دخل شامل ہے کیوں کہ امریکہ نے انہیں مزاحمت کا راستہ اختیار کرنے پر مجبور کیا تھا لیکن چونکہ یہ جنگ طالبان جیت کر بازی لے گئے تو کھیل ختم ہوا، امریکہ کو بھی افغانستان پر اپنا ناجائز اور غیر قانونی قبضہ ختم کرنا چاہیے لیکن چونکہ وہ جنگ جاری رکھنا چاہتا ہے اور امن کا مخالف ہے اس لئے طالبان بھی یقین رکھیں کہ (انھم لایکذبونک ولکن الظالمین بآیت اللہ یجحدون) انہوں نے صرف آپ کو ماننے سے انکار نہیں کیا بلکہ یہاں ایک اہم بات یہ بھی ہے جس پر پوری قوم کو توجہ دینی چاہیے، وہ بات یہ ہے کہ طالبان کی سیاست نے صلیب کا خواب چکنا چور کر دیا۔

کئی مہینوں سے جاری کارروائیاں طالبان کے دو حملوں کی نظر ہوگئیں

نعیم نظامی

جب امریکی صدر ٹرمپ وائٹ ہاؤس میں داخل ہوئے تو طالبان کے خلاف ملکی، خطے اور دنیا کی سطح پر وسیع اور نفسیاتی کارروائیاں شروع ہوئیں، ان کارروائیوں میں فوجی، انٹیلی جنس، سیاسی، پروپیگنڈے اور اقتصادی وسائل سے بھرپور طریقے سے فائدہ اٹھایا گیا جن کے کئی مقاصد ہیں:

1. جنگ کے موسم میں طالبان کے حوصلے پست کرنا۔
2. خطے اور دنیا میں طالبان کی سیاسی حکمت عملی کے اثرات کو کم کرنا۔
3. کٹھ پتلی حکومتی افواج کو حوصلہ دینا۔
4. مخلوط حکومت کے اعلیٰ حکام اور امریکہ کے ساتھ تعاون کرنے والے افغانوں کو یورپ بھاگنے کا راستہ روکنا۔
5. خطے میں امریکہ کا بین الاقوامی حریفوں کے خلاف ایک نیا بلاک قائم کرنا
6. امریکہ کی جانب سے افغانستان کے قدرتی وسائل پر کنٹرول قائم کرنا۔

اس کے علاوہ ان کارروائیوں کے پیچھے اور مقاصد بھی ہیں، افغانستان میں جاری ان کارروائیوں میں مرکزی کردار خود اشرف غنی کا ہے، جس وقت اس آپریشن کا آغاز ہوا تب سے اشرف غنی کے ہر بیان اور ہر اقدام میں اس آپریشن کا خیر مقدم کیا جاتا ہے اور اس میں تیزی لانے کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور کچھ عرصے تک طالبان نے ایک حکمت عملی کے تحت جب خاموشی اختیار کی تو مغربی میڈیا نے اس کو ٹرمپ کی پالیسی کا نتیجہ قرار دیا اور پروپیگنڈہ کیا کہ ٹرمپ کی پالیسی کے بعد طالبان کمزور ہوگئے اور ان کی کارروائیوں میں نمایاں کمی آئی۔

لیکن 17 اکتوبر کو طالبان نے صوبہ غزنی کے ضلع اندڑ پر ٹینک کے ذریعے فدائی حملہ کیا اور اس کے بعد دیگر مجاہدین نے فورسز کے مرکز اور چیک پوسٹوں پر دھاوا بول دیا جس کے نتیجے میں تیس سے زائد پولیس افسران اور اہل کار ہلاک ہوئے، اسی طرح اسی دن صوبہ پکتیا کے دارالحکومت گردیز میں پولیس ہیڈ کوارٹر اور پولیس ٹریننگ سینٹر پر مجاہدین نے بارود سے بھری ہوئی گاڑی اور ٹینک کے ذریعے حملہ کیا اور دھماکہ خیز مواد سے سرکاری عمارات کو تباہ کر کے اٹھ گھنٹے تک فدائی مجاہدین نے فورسز کے ساتھ شدید لڑائی کی جس کے نتیجے میں پانچ سو کے قریب سینئر فوجی افسران اور فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے اور وسیع پیمانے پر دشمن کو مالی نقصان پہنچا۔ طالبان نے ان حملوں کے ذریعے امریکی اور افغان کٹھ پتلی حکومت کی جانب سے کئی مہینوں سے جاری کارروائیوں کو غیر موثر ثابت کر دیا اور سیکیورٹی کی صورتحال کو بھی شدید ضربہ دیا۔

ان کارروائیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ طالبان کا تنظیمی ڈھانچہ مضبوط ہے، افرادی قوت برقرار، اپنے کاز میں مصروف اور اعلیٰ مقاصد کے حصول کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں، انہوں نے یہ پروپیگنڈہ غلط ثابت کیا کہ طالبان نیابتی جنگ کا حصہ ہیں۔

ان کارروائیوں سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ طالبان کو اس طرح کے رویے اور پروپیگنڈے سے نامعقول عسکری اقدامات اٹھانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا مثلاً موجودہ صورتحال میں بھاری جانی اور مالی نقصان کے بدلے ضلعی مراکز، صوبائی مراکز، بڑے شہروں اور قومی شاہراہوں کو فتح کرنے اور ان پر اپنا کنٹرول برقرار رکھنے پر مجبور نہیں کر سکتے ہیں اور نہ ہی انہیں اشتعال دلا کر جذباتی طور پر غیر موثر اور غیر مفید حرکت کرنے پر ابھار سکتے ہیں۔

وہ ایک منصوبہ بندی اور سیاسی حکمت عملی کے تحت کام کرتے ہیں، ان حملوں نے بھی ظاہر کیا کہ ممکن ہے طالبان قابض غیر ملکی فوجیوں اور کٹھ پتلی حکومت کے حساس اہداف پر مزید اس طرح تباہ کن حملے کریں اور ٹرمپ کی نئی حکمت عملی کا موثر جواب دیں۔

سعودی شاہ کا دورہ روس اور اس کے مقاصد

فرہاد اتل

حال ہی میں سعودی عرب کے بادشاہ ملک سلمان بن عبد العزیز نے 1500 افراد کے ایک وفد کے ساتھ روس کا دورہ کیا۔ ان کا دورہ روس اس حوالے سے اہمیت رکھتا ہے کہ یہ پہلی بار ہوا ہے کہ سعودی عرب کا ایک بادشاہ اتنے اعلیٰ سطحی وفد کے ساتھ کسی ملک کا دورہ کر رہا ہے۔ سیاسی امور کے ماہرین کے مطابق ملک سلیمان کے دورہ روس سے معلوم ہوتا ہے کہ روس خطے میں پھیلنے اور اپنا سیاسی اثر ونفوذ پھیلانے کے لیے پر تول رہا ہے۔ خصوصاً مشرق وسطی کے سیاسی اور سیکیورٹی حالات میں روس کا کردار گذشتہ چند سالوں میں بڑھ رہا ہے۔

اسی طرح سعودی عرب بھی خطے کے ایک موثر اور کھلاڑی ملک کی حیثیت سے مسلسل اس کوشش میں ہے کہ خطے میں اپنے حریفوں اور حلیف ممالک کے سیاسی، عسکری اور اقتصادی حوالے سے ممتاز رہے۔ روس کے دورے میں انہوں نے پیغام دیا ہے کہ سعودی عرب عالمی تعلقات کے سلسلے میں عالمی سطح پر جس قدر اعتماد اور اہم حیثیت رکھتا ہے اور کوئی ملک نہیں رکھتا۔

اسی طرح ملک سلمان نے اپنے دورے میں یہ پیغام دیا ہے کہ اس کا ملک آہستہ آہستہ امریکا پر انحصار کی پرانی پالیسی چھوڑ رہا ہے اور چاہتا ہے کہ مستقبل میں امریکا کے ساتھ ساتھ دوسری بڑی طاقت روس کے ساتھ بھی قریبی تعلقات اور روابط رکھے۔ خصوصاً اسلحہ اور نئی ٹیکنالوجی کے حصول کے شعبے میں چاہتا ہے کہ روسی اسلحہ کی خریداری کے ساتھ ساتھ روس کے تجربہ اور مہارتوں سے فائدہ اٹھائے۔

یہی مضبوط وجہ ہے کہ مغربی ممالک اور خصوصاً امریکا کو اس دورے سے شدید دھچکا لگا۔ اور فوری طور پر سعودیہ کے نئے وسائل خریدنے کا اعلان کیا۔ کیوں کہ امریکا ہر سال سعودی عرب سے اسلحہ کی تجارت کی مد میں اربوں ڈالر حاصل کرتا ہے۔ اور امریکا اجناس اور مصنوعات کے بدلے سعودی عرب سے ملینوں بیرل تیل سستی قیمت میں خریدتا ہے۔

خطے کے سفارتی امور کے مبصرین سعودی عرب کی جانب سے اپنی عالمی سیاست اور تعلقات میں نظریات کی تبدیلی کا سارا کریڈٹ سعودیہ جوان ولیعہد شہزادہ محمد بن سلمان کو دیتے ہیں۔ کیوں کہ وہ ایک بہادر اور مہم جو شخص ہے جس کا ارادہ ہے کہ مستقبل میں سعودی عرب کسی خاص بلاک تک محدود ملک نہ رہے۔ بلکہ تمام سپر طاقتوں کے ساتھ برابری کی سطح پر لین دین کی تلاش میں ہے۔

تجربات نے بھی دکھایا ہے جب تک دنیا چند قطبوں میں تقسیم تھی۔ دنیا میں اتنی بدامنی اور بے ثباتی نہیں تھی۔ افغانستان میں سوویت یونین کی شکست کے بعد دنیا کی قوت یک قطبی ہو گئی تب دنیا میں بدامنی اور بے ثباتی کا راج ہو گیا۔ جہاں انسان کا خون پانی سے بھی زیادہ سستا ہو گیا ہے۔ امریکا نے یک قطبی سپر پاور کے سٹیج سے غلط فائدہ اٹھاتے ہوئے پوری دنیا کو جہنم بنا دیا ہے۔ خصوصاً مسلمان اور اسلامی دنیا امریکی مظالم سے تنگ آ گئی ہے۔ دنیا کے لوگ جس قیمت پر بھی ہو اس حالت سے نکلنا بہتر سمجھتے ہیں۔ سعودی عرب حکومت بھی مسلمانوں اور اپنے شہریوں کے جذبات سمجھتی ہے اور جانتی ہے کہ اسلامی دنیا خصوصاً عرب دنیا میں امریکا کے کردار کو لوگ شک کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور اس کے کردار کو مشکوک قرار دیتے ہیں۔

پہلے ہم اشارہ کر چکے ہیں کہ سعودی شاہ کے دورے کا ایک اچھا مقصد یہ بھی تھا کہ خطے میں اپنے مضبوط حریف ممالک ایران اور روس کو خوف زدہ کر دیں۔ بظاہر گذشتہ چند سالوں سے ایران اور شام نے مل کر سعودی عرب پر برتری کی کوششیں شروع کر رکھی ہیں۔ اور روس ان ممالک میں سے ہے جنہوں نے سعودیہ کے مقابلے میں ایران اور شام کی حمایت کی۔

سعودی بادشاہ نے اپنے دورے میں روس کے ساتھ اپنے تعلقات کے قیام کے حوالے سے بڑا باب کھول دیا ہے۔ جس کے مطابق پہلے سعودیہ چند ارب ڈالر کا اسلحہ روس سے خریدے گا۔ اقتصادی لحاظ سے یہ معاہدہ روس کی کمزور معیشت کو کم سالوں پاوں پر کھڑا کر دے گا۔ اس لیے روس کی بھی کوشش ہو گی کہ اپنی اقتصادی مضبوطی کے لیے سعودی عرب جیسے مالامال اور امیر ملک سے طویل عرصے کے لیے اسلحہ کی تجارت کا سلسلہ قائم رکھے۔ ظاہر ہے اس سے ایران اور شام کو دھچکا لگے گا ۔ کیوں کہ پھر روس مجبور ہو گا اس بات پر کہ ایران اور سعودیہ کے درمیان کم از کم توازن کی سیاست اپنائے اور یا احتمال ہے کہ ایران کو چھوڑ کر سعودیہ کو اپنے لیے بہتر پارٹنر بنادے۔

جی ہاں ! سعودی بادشاہ ملک سلمان نے اس دورے میں اپنی عادت کے مطابق اپنی مالی قوت کا بھرپور مظاہرہ کیا۔ جس کو دیکھ کر روسی حکمرانوں کے بھی منہ میں پانی بھر آیا۔ بلو بمبرگ نامی ایک تجارتی میڈیا ادارے نے شاہ سلمان کے دورے کے حوالے سے جو معلومات نشر کیں انہیں دیکھ کر یہی لگتا ہے کہ یہ واقعی مالی قوت دکھانے کا ایک مظاہرہ تھا۔

بلو بمبرگ لکھتا ہے : سعودی شاہ نے اپنے دورے میں اپنے خاندان اور حکومت کے 1500 اعلی سطحی افراد کا وفد اپنے ساتھ لے جا کر تقریبا تمام حکمرانوں کو پیچھے چھوڑ دیا۔ سعودی حکومت نے اپنے وفد کے قیام کے لیے ماسکو میں دو پنج ستارہ ہوٹلوں کی بکنگ پہلی ہی کرا لی تھی۔ جنہیں دیگر اخراجات کے علاوہ 300 ملین ڈالر کی ادائیگی صرف کرائے کے مد میں کی گئی تھی۔ ملک سلمان اپنے ساتھ کھانے اور چائے کے لیے اپنے خاص بندوں کو لے کر گیا، اور انہیں وہ تمام سہولیات اور ضروریات مہیا کی گئی تھیں جن کی بادشاہ کو دورے میں کہیں بھی ضرورت پڑ سکتی تھی۔ جس تک رسیدگی آسان ہو یا کسی مجبوری کی صورت میں انہیں کسی قسم کی پریشانی نہ اٹھانی پڑے۔

اسی طرح بادشاہ کے لیے سعودی عرب ہی سے کرسی ، قالین اور دیگر ضروری سامان لے جایا گیا تھا۔ چونکہ بادشاہ اور وفد کے دیگر ارکان روس کا کھانا نہیں کھاتے تھے اس لیے ہر دن ریاض سے غذائی مواد سے بھرا ایک طیارہ ماسکو جاتا تھا جو شاہ اور اس کے ساتھیوں کو کھانا پہنچاتا تھا۔

روسی صدر نے بھی کریملین میں ان کے استقبال کے لیے خصوصی تقریب کا اہتمام کیا تھا۔ یہاں تک کہ پیوٹن خود پیالے میں چائے ڈال کر دیتا رہا۔ اس طرح شاہ سلمان نے روس اور دیگر ممالک کے حکام پر اپنی مالی قوت کا رعب جمایا۔ ان کے دورے کے اخراجات کے مقابلے میں امریکا جیسے بڑے ملک کے صدر کے دورے کے اخراجات بھی بہت کم تھے۔

اگرچہ دیگر دنیا کے حکمرانوں کو مرعوب کرنے کے لیے شاہ کا اپنی دولت کا بھرپور پر رونق مظاہرہ ایک مثبت اثر بھی رکھتا ہے مگر دوسری جانب ان بے بہا اخراجات کا منفی اثر بھی چھپا نہیں رہتا۔ وہ یہ کہ آج کی دنیا میں مسلمان مغلوب ہیں۔ اس کے مقابلے میں اغیار بہت منظم اور طاقت ور ہیں۔ اس لیے ضرورت ہے کہ اسلامی ممالک کے حکمرانوں کی بے جا عیاشیوں کی بجائے اپنے ممالک میں علوم وفنون کی ترقی پر سرمایہ کاری کی جاتی اور دنیا کے حکمرانوں کے ساتھ مالی مصارف میں مقابلے کی بجائے بہتر یہ ہوتا کہ ان کے ساتھ سائنسی علوم اور عصری ترقی میں مقابلہ کرتے۔ تاکہ عصری علوم میں مسلمان بھی ترقی کرتے۔ دوسری بات بہتر یہ ہوتی کہ ملک سلمان خلفاء راشدین کے استغناء اور قناعت کا کردار اپناتے۔ اور اپنے دوروں میں پانی کی طرح پیسہ بہانے کی بجائے برما، فلسطین اور دیگر مظلوم مسلمانوں کی بہبود اور فلاح پر خرچ کرتے۔

جنگی جرائم (ستمبر)

سید سعید

رواں سال 5 ستمبر کو صوبہ قندھار کے ضلع شاولی کوٹ کے مرکز کے قریب ضلعی پولیس سربراہ 'پاچا' کے پولیس اہل کاروں نے ایک سابق جہادی کمانڈر 'ملا عبدالغفور اخند' کو شہید کر دیا۔ اس سے اگلے روز صوبہ اروزگان کے ضلع چورا کے مضافات میں حملہ آوروں نے شہری آبادی پر شدید بمباری کی، جس کے نتیجے میں سات شہری شہید اور متعدد گھر تباہ ہوگئے۔ جب کہ صوبہ فراہ کے ضلع فراہ رود کے بازار میں قندھار ہائی وے پر تعینات پولیس اہل کار نے ایک مسافر گاڑی پر فائرنگ کر کے تین افراد کو زخمی اور ایک کو شہید کر دیا۔

7 ستمبر کو صوبہ جوزجان کے ضلع قوش تیپی کے گاؤں شیر بیک میں پولیس اہل کاروں کی فائرنگ سے ایک بچی شہید اور دو بچے زخمی ہو گئے۔ جب کہ صوبہ اروزگان کے ضلع خاص اروزگان کے علاقے 'قلعہ خور' پر امریکی ڈرون حملے میں ایک شہری شہید اور ایک زخمی ہو گیا۔

9 ستمبر کو صوبہ ننگرہار کے ضلع لعل پوری کے علاقے بیلی میں حملہ آوروں نے چھاپے کے دوران پانچ شہریوں کو شہید اور تین افراد کو گرفتار کر لیا۔

11 ستمبر کو صوبہ غزنی کے ضلع قرہ باغ کے علاقے شیر میں جنگ جو ملیشیا کے اہل کاروں نے دو طالب علموں کو شہید اور ایک کو زخمی کر دیا۔

13 ستمبر کو صوبہ ننگرہار کے ضلع خوگیانو کے علاقے وزیر ابو بکر میں قابض اور افغان فورسز مشترکہ کارروائی کے دوران مقامی لوگوں کے گھروں کے دروازے بموں سے اڑا کر اندر گھس گئی۔ فوج نے گھر گھر کی تلاشی کے دوران رہائشیوں پر تشدد کیا۔ قیمتی اشیاء لوٹ لیں اور دو افراد کو حراست میں لے لیا۔ صوبہ بلخ کے لوگوں اور سول سوسائٹی کے سرگرم کارکنوں نے صحافیوں کو بتایا کہ سرکاری فورسز کے اہل کار فوجی آپریشن کی آڑ میں گھروں میں گھس کر لوٹ مار کرتے ہیں۔ لوگوں کو مارا پیٹا جاتا ہے۔ کارکن قادر مصباح نے آزادی ریڈیو کو بتایا کہ جنگ جو ملیشیا کے مسلح اہل کاروں نے ڈاکوؤں کا روپ اختیار کر رکھا ہے، جو عام راستوں پر چوری کی وارادات کرتے ہیں اور گھروں میں گھس کر قیمتی اشیاء لوٹ لیتے ہیں۔ جب کہ صوبہ بادغیس کے ضلع درہ بوم میں پولیس کی فائرنگ سے ایک شہری شہید اور ایک زخمی ہو گیا۔ اسی دن صوبہ ننگرہار کے ضلع شیر زادو کے علاقے طوطو سنگر خیل میں قابض امریکی فوج اور افغان کمانڈوز چھاپے کے دوران بموں سے دروازے اڑا کر گھروں میں گھس گئے۔ گھر گھر کی تلاشی لی گئی۔ لوگوں کو تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ ایک معصوم بچے اور ایک معمر شخص کو شہید کر کے چار افراد کو حراست میں لے لیا۔

14 ستمبر کو حملہ آوروں اور افغان فوجیوں نے صوبہ ننگرہار کے ضلع لعل پوری کے علاقے گرداوی میں چھاپے کے دوران سات شہریوں کو حراست میں لیا۔

15 ستمبر کو میڈیا نے رپورٹ شائع کی کہ صوبہ بغلان کے ضلع برکی میں فورسز نے مولوی کمال الدین کے دینی مدرسے میں چیک پوسٹ بنائی ہے اور مدرسے کی دیواروں میں سوارخ کر کے اس کو شدید نقصان پہنچایا ہے۔ اس

کے علاوہ فورسز فلول کے علاقے میں بھی اسکولوں کو گزشتہ چار ماہ سے بند کر کے انہیں چیک پوسٹوں کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔

16 ستمبر کو صوبہ پکتیا کے ضلع زرمت کے علاقے اوریا خیل میں قریبی چیک پوسٹ کے تین اہل کاروں نے اسکول کے استاد 'جان محمد' کو اپنے گھر کے سامنے شہید کر کے ان کے بیٹوں کو زخمی کر دیا۔ جب کہ اس سے اگلے روز صوبہ اروزگان کے ضلع خاص روزگان کے علاقے شیخی اور نیکروز پر امریکی طیاروں کی بمباری میں 6 عام شہری شہید ہو گئے۔ جب کہ ان کے گھر تباہ اور مویشی ہلاک کر دیے گئے۔ اسی دن صوبہ غزنی کے ضلع دیک کے علاقے بالا میں پولیس نے ایک عالم دین 'مولوی عبدالہادی اخندزادہ' کو شہید کر کے ان کی اہلیہ اور بیٹے کو زخمی کر دیا۔

18 ستمبر کو قندھار کے ضلع خاکریز کے علاقے لالک اور زرک میں امریکی اور افغان فوجیوں نے چھاپہ مارا۔ گھروں کے دروازے توڑ کر لوگوں پر تشدد کیا۔ 9 افراد کو حراست میں لے لیا۔ تین بچوں، چار بوڑھوں سمیت 19 افراد کو شہید کر دیا۔ اس کے علاوہ بھاری مالی نقصان بھی پہنچایا گیا ہے۔ اس سے اگلے روز صوبہ بادغیس کے ضلع قادس کے علاقے خم جنگل میں افغان فوج کی بمباری سے ایک شخص شہید اور ایک زخمی ہو گیا، جب کہ اسی روز ضلع قادس کے علاقے لالابائی پر بھی امریکی طیاروں نے بمباری کر کے تین افراد کو شہید اور تین کو زخمی کر دیا۔ اسی طرح صوبہ فاریاب کے ضلع قیصار کے علاقے جورلوغ میں حکومتی حامی ملیشیا کے اہل کاروں نے ایک شخص انور کو اُس کے دو معصوم بچوں سمیت شہید کر دیا۔

21 ستمبر کو صوبہ غزنی کے ضلع ناوہ کے علاقے صالح گل پر امریکی طیاروں کی بمباری میں دو بچے شہید اور ایک خاتون سمیت دو افراد زخمی ہو گئے۔ اگلے روز صوبہ ننگرہار کے ضلع بتی کوٹ کے علاقے دامبار خانہ میں امریکی اور افغان فوجیوں نے مشترکہ کارروائی کے دوران گھروں کے دروازے توڑ کر لوگوں پر تشدد کیا۔ قیمتی اشیاء لوٹ لیں اور دو افراد کو شہید اور 9 افراد کو حراست میں لے لیا۔

23 ستمبر کو صوبہ غزنی کے ضلع دیک کے علاقے درامک میں پولیس نے ایک شخص حمید اللہ ولد محمد اسحاق کو شہید کر دیا۔ اسی روز صوبہ فاریاب کے ضلع المار کے علاقے مرشکار میں فورسز کے راکٹ حملے میں دو بچے شہید اور دو زخمی ہو گئے۔ جب کہ اگلے دن صوبہ ننگرہار کے ضلع سرخ رود کے علاقے کنکرک میں امریکی اور افغان فوجیوں نے چھاپے کے دوران تین افراد کو شہید اور خواتین سمیت تین افراد کو زخمی کر دیا۔

25 ستمبر کو صوبہ قندھار کے ضلع بولدک کے علاقے بیبی اور ونگی میں فورسز نے فوجی آپریشن کے دوران دو سو سے زائد خاندانوں کو علاقہ چھوڑنے پر مجبور کیا۔ بعد ازاں تیس گھروں کو مسمار کر کے جلا دیا اور درختوں کو اکھاڑ دیا۔ اسی دن قندوز کے ضلع قلعہ ذال کے علاقے میانکول میں پولیس نے ایک معمر شخص 'رحمت اللہ اکا' کو شہید کر دیا۔

26 ستمبر کو صوبہ فاریاب کے ضلع خیبر کے علاقے چوبکی میں سرکاری فوج کے فضائی حملے میں ایک شہری شہید اور تین زخمی ہو گئے۔

27 ستمبر کو صوبہ بادغیس کے ضلع درہ بوم کے بازار میں فورسز کے حملے میں مقامی مدرسے کے دو طالب علم شہید ہو گئے۔

28 ستمبر کو صوبہ پکتیکا کے ضلع سرحوضی کے علاقے شاتور میں فورسز کی فائرنگ سے دو خواتین شہید اور ایک زخمی ہو گئی۔ اسی روز صوبہ تخار کے ضلع درقد کے علاقے القناق اور دروازہ پتہ میں حکومتی فضائی حملے میں چار افراد شہید ہو گئے۔

30 ستمبر کو صوبہ فاریاب کے ضلع چھلگری کے علاقے دو آبی میں فورسز کے حملے میں ایک شہری 'سیدو خان' شہید اور اس کا بیٹا 'شیرین گل' زخمی ہو گیا۔

ذرائع: بی بی سی، آزادی ریڈیو، افغان اسلامک پریس، پژواک، خبریال، لر او بر، تن ڈاٹ ایشیا اور مختلف ویب سائٹس۔

افغانستان اکتوبر ۲۰۱۷ میں

احمد فارسی

زیر نظر تحریر میں صرف ان واقعات و حقائق کو یکجا کیے گیے ہیں جن کا دشمن نے بھی اعتراف کیا، ان کے اعترافات میڈیا میں ریکارڈ پر موجود ہیں۔ یاد رہے دشمن ہمیشہ جھوٹ کا سہارا لے کر واقعات بناتا ہے اور ساری خبریں افغانستان کے مسلمانوں کو ورغلانے کے لیے بیان کررہے ہیں، اسی لیے حقائق تک رسائی اور دشمن کی جانی ومالی نقصانوں سے باخبر رہنے کے لیے اسلامی امارت کی ویب سائٹ دیکھتے رہیں۔

گذشتہ ماہ اکتوبر میں نہ صرف ملک کے طول وعرض میں کامیابیوں کا سلسلہ چل نکلا تھا بلکہ مخلوط حکومت کو اس قدر بھاری جانی ومالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑا تھا جس کے تدارک کے لیے سرمایہ اور دیگر وسائل کے بل بوتے پر باقاعدہ سنجیدہ طریقے سے سوچنے پر مجبور ہوئے۔ اس کے باوجود دشمن کو ایک ہیلی کاپٹر کے نقصان کے علاوہ ناقابل یقین حد تک نقصانات کا سامنا کرنا پڑا۔ اس حوالے سے باوثوق معلومات کے حصول کے لیے آپ کو الامارہ کی ویب سائٹ لیے چلتے ہیں۔

دشمن کی جانی نقصان:

اکتوبر میں جارح افواج کے سینکڑوں افواج مجاہدین کے حملوں میں ہلاک ہوئے اور بیسیوں دیگر زخمی بھی ہوئے، مثلا اسی ماہ یعنی 22 اکتوبر کو ایک مجاہد نے غاصبین کے 13 فوجیوں کو اپنے ہی کلاشنکوف سے مار ڈالے، اسی طرح 28 اکتوبر صوبہ لوگر کے ضلع خروار میں مجاہدین کے ہاتھوں ایک ہیلی کاپٹر بھی مار گرایا جس میں بہت سارے فوجی ہلاک اور زخمی ہوئے، باوثوق ذرائع کے مطابق اس حملے میں امریکیوں سمیت 43 افراد ہلاک ہوئے۔ اس حملے کے ایک دن بعد جلال آباد ائیرپورٹ پر مجاہدین نے حملہ کیا جس میں 2 امریکی جنرلز اور 3 دیگر زخمی ہوئے۔ اکتوبر کے مہینے میں غاصبین دیگر بہت سارے حملوں کا سامنا کرنا پڑا جس میں بیسیوں افراد ہلاک اور زخمی ہوئے، مگر دلبرداشتہ جن کا پورا وقت اپنے جرائم کو چھپانے میں صرف ہوا اکتوبر میں ایک امریکی فوجی نے اس کا پول کھول دیا۔ اس طرح رواں سال ہلاک شدہ ان فوجوں کی تعداد جن کا دشمن نے بھی اعتراف کیا 14 ہے، میدان کارزار میں ہلاک شدگان کی تعداد اس کے علاوہ ہے۔

مزدور کابل انتظامیہ کا جانی نقصان:

کابل کی مزدور انتظامیہ بھی ماہ اکتوبر میں مجاہدین کے حصار میں رہا جس کی وجہ سے انہیں کافی زیادہ جانی ومالی نقصانات اٹھانے پڑے۔ اگرچہ جنگ کے اس ماحول میں ہلاک شدہ فوجوں کی ٹھیک تعداد بتانا ناممکن ہے لیکن آزاد میڈیا کے مطابق اس ماہ دشمن کو سینکڑوں جانی نقصان اٹھانا پڑا۔ جس میں صوبہ پکتیا آئی جی پولیس کی ہلاکت بھی ہے۔ اسی ماہ کابل انتظامیہ نے اپنے آقا امریکہ سے میڈیا کے متعلقہ اداروں سے رپورٹنگ نہ کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ غلام ادارہ میں مزید انتشار پیدا نہ ہو۔

مخلوط حکومت کی مالی نقصان:

جارح فوج کو جانی نقصان کے ساتھ ساتھ اسی ماہ کروڑوں مالی نقصان پہنچا، جو علاقے مجاہدین کے زیر نگیں آئیں ان میں بہت سارے جنگی ساز وسامان اور دیگر آلات غنیمت میں آئیں۔ اسی کے ساتھ 17 اکتوبر بروز ہفتہ ضلع کوہ صافی میں مجاہدین نے دشمن کا ایک جنگی طیارہ مار گرایا جس سے ان کو کروڑوں نقصان پہنچا۔ یاد رہے صوبہ لوگر کے ضلع خروار میں بھی مجاہدین نے ایک ہیلی کاپٹر مار گرایا تھا۔

دشمن کی جانب سے ملکی نقصانات اور عوام کی بے جا تنگی:

دشمن کی جانب سے افغانستان کے مظلوم مسلمانوں کو بے جا تنگ کرنے، انہیں شہید کرنے، مارنے پیٹنے اور دیگر طریقوں سے تنگ کرنے کا سلسلہ اکتوبر میں بھی جاری تھا، جسے میڈیا نے بھی نشر کیا۔ ان واقعات کی تفصیلات آپ اسلامی امارت کی ویب سائٹ پر ملاحظہ کرسکتے ہیں لیکن یہاں بطور نمونہ انہی کی نشر کردہ چند خبریں ملاحظہ ہوں۔

یوناما نے 14 اکتوبر کو ایک رپورٹ شائع کی جس میں کہا گیا تھا کہ غاصب افواج کی جانب سے اکتوبر کے مہینے اموات کی شرح میں اضافہ ہو گیا ہے۔اس رپورٹ کے پیش نظر رواں سال کے شروع سے ستمبر تک 206 افراد مارے جا چکے ہیں۔

10 اکتوبر صوبہ لوگر کے مرکز میں ایک مسجد پر امریکی طیاروں نے بمباری کی جس کے نتیجے میں مسجد شہید اور اس میں موجود نمازی زخمی اور شہید ہو گیے۔

13 اکتوبر کو پل چرخی جیل میں ایک عالم دین وحشی حکومتی اہلکاروں کی وحشت سے شہید ہو گیے۔اسی دن جارح افواج کی بمباری سے صوبہ کنڑ میں بچوں اور خواتین سمیت 20 بے گناہ ملکی شہید ہو گیے۔اسی ضلع کے قریب صوبہ ننگرہار میں جارح افواج اور ان کی مزدور کابل انتظامیہ کی جانب سے پکڑے گیے 10 بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیے۔یہی اسی صوبہ کے ضلع حصارک میں ایک دن بعد پانچ مزید لوگوں کو شہید کیے گیے۔

24 اکتوبر بروز منگل مذکورہ صوبہ کے ضلع غنی خیل میں اس وقت قیامت صغریٰ برپا ہوئی کہ جب وحشی امریکیوں اوان کے کاسہ لیسوں نے ایک ہی خاندان کے سات افراد کو ایک ہی جگہ شہید کیے۔

27 اکتوبر بروز جمعہ صوبہ قندہار کے ضلع معروف میں بھی امریکیوں نے کابل انتظامیہ کی مدد سے آپریشن کیا۔اسی طرح 30 اکتوبر صوبہ خوست کے ضلع نادر شاہ کوٹ میں بیرونی واندرونی افواج کے اشتراک سے ایک دینی مدرسے پر بمباری ہوئی جس کے نتیجے میں تیس حفاظ اپنے استاذ سمیت شہید ہو گیے۔

دشمن کا مجاہدین کے ساتھ یکجا ہونا:

اکتوبر میں دشمن کو جانی ومالی نقصانات پہنچنے کے ساتھ ساتھ دشمن ان کے افراد کثیر تعداد میں یا تو پکڑے گیے یا پھر اپنی رضامندی سے مجاہدین کے ساتھ آملے۔اس خبر کی تفصیلات دعوت وارشاد کمیشن کی رپورٹس میں درج ہیں، لیکن زیر نظر تحریر میں قارئین کی خدمت میں ایک جھلک پیش کرتے ہیں۔10 اکتوبر بروز منگل میڈیا میں یہ خبر نشر ہوئیکہ قندوز میں درجنوں افراد اپنی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہو کر مجاہدین کے ساتھ ملے۔15 اکتوبر بروز اتوار صوبہ قندہار کے ضلع معروف میں پولیس سربراہ اپنے سولہ ساتھیوں سمیت پکڑا گیا۔

غصب کو دوام:

ہونا یہ چاہیے تھا کہ افغانستان کو امریکہ کی جھولی میں دیے جانے کے بعد امریکی افواج مجاہدین کے ساتھ جنگ میں حصہ نہ لیتے بلکہ نیٹو اتحاد میں شامل دیگر ممالک کی مدد کرتے اور ان کو مروانے کا کردار ادا کرتے، لیکن اس ماہ کی کارروائیاں ثابت کررہے ہیں کہ اب بھی زیادہ تر کارروائیاں غاصب افواج کی جانب سے ہی ہو رہے ہیں جس کے نتیجے میں افغانستان کے مظلوم مسلمان شہید ہو رہے ہیں۔10 اکتوبر بروز منگل ایک رپورٹ شائع ہوئی جس میں لکھا تھا کہ صرف ستمبر 2017 میں افغانستان کے مظلوم مسلمانوں پر 751 بم پھینکے گیے۔یہ رپورٹ یوناما سمیت جارح افواج کے حمایت یافتہ سبھی چینلز نے شائع کیا کہ بمباریوں کی وجہ سے ملکی عوام کی شرح اموات میں اضافہ ہوا ہے۔اسی کے ساتھ مظلوم افغانوں کو مزید کچلنے کے لیے اپنے مزدور انتظامیہ کو جنگی طیارے بھی فراہم کردیے۔اور مزید بھی یہی ارادہ رکھتے ہیں تاکہ افغانوں مزید بھی کچلا جا سکیں۔اس سے قبل 3 اکتوبر کو ڈنمارک نے بھی اعلان کیا کہ 55 مزید افواج افغانستان بھیجے جائیں گے۔5 اکتوبر کو امریکی وزارت دفاع نے اس معاہدے کو جس کے ذریعے انہوں نے اپنے ہی مزدوروں ورغلایا تھا کی مخالفت کرکے یہ اعلان کیا کہ بیرونی افواج طالبان کو مدد بہم پہنچا رہے ہیں۔

منصوری آپریشن:

اکتوبر میں عمری آپریشن کے ذریعے بہت ساری کامیابیاں حاصل ہوئیں، بہت سارے اضلاع اور دیگر علاقے مجاہدین کے زیر نگیں آئیں جس میں بہت ساری غنیمتیں بھی حاصل ہوئیں، آئیے چند بڑے واقعات پر طائرانہ نظر ڈالیں۔

21 اکتوبر بروز پیر اسلامی امارت کے مجاہدین نے ضلع غوربند کے علاقے قندقستان کے اسٹریٹیجک اہمیت کے حامل درہ کو فتح کیا، دو دنوں بعد فاریاب میں پولیس ہیڈ کوارٹر پر مجاہدین نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں دشمن کو کافی زیادہ نقصان پہنچا۔5 اکتوبر بروز جمعرات اسی صوبہ کے ضلع چورہ پر مجاہدین نے حملہ کیا جس کے نتیجے میں 24 افغان فوجی ہلاک ہوئے۔7 اکتوبر پروان کے کوہ صافی میں ایک بڑا مال بردار طیارہ گر کر تباہ ہو گیا، کہا جاتا ہے کہ اس طیارے میں مال سمیت وہ لوگ بھی تباہ ہو گیے جو امریکیوں کے ساتھ اس طیارے میں سوار تھے۔فاریاب میں بھی مجاہدین نے کامیاب آپریشنز کیے جس کے نتیجے میں پشتون کوٹ میں دشمن کو کافی بھاری نقصان پہنچا۔13 اکتوبر بروز جمعہ سُرپل کے مرزاولنگ کے اسٹریٹیجک اہمیت علاقے کو دوبارہ پکڑنے کی خبر نشر کی۔

ملک کے جنوبی علاقوں پر بھی اکتوبر کا مہینہ فتوحات کے ساتھ گزر گیا، 16 اکتوبر کو قندہار کے ضلع معروف مجاہدین نے فتح کیا، 19 اکتوبر بروز جمعرات صوبہ میوند میں گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں دشمن کے ایک بہت بڑے اڈے کو تباہ کرنے کے ساتھ ساتھ دشمن کے کئی فوجی بھی مارے گیے۔ اسی طرح کا ایک اور حملہ ارزگان میں بھی کیا گیا، اسی کے ساتھ 24 اکتوبر بروز منگل چارچینہ کے علاقے میں دشمن کے مرکز اور پولیس ہیڈ کوارٹر پر حملہ کیا، اس حملے کے دو دنوں بعد اسی ضلع کی انتظامیہ نے اعلان کیا کہ یہی ضلع اور چورہ کے سقوط کے قریب ہیں۔ دوسری طرف غزنی کے مجاہدین نے بھی کافی کامیابیاں حاصل کیں 17 اکتوبر بروز منگل ضلع شلگر کو فتح کیا، دو دنوں بعد اسی ضلع کے مجاہدین نے ضلع اندڑ کو بھی فتح کیا۔ 30 اکتوبر کو میڈیا نے یہ خبر بھی نشر کر دی کہ ضلع خوگیان کا مرکز بھی مجاہدین نے فتح کر لیا۔

اسی کے ساتھ ملک کے طول و عرض میں غاصبین پر زمین تنگ کر دی گئی، 17 اکتوبر کے دن جہاں ایک طرف صوبہ فراہ کے ضلع شبکوہ مجاہدین کے زیر تسلط آ گیا تھا جبکہ دوسری جانب میدان وردگ کے ضلع چتتو اور صوبہ پکتیا کے پولیس ہیڈ کوارٹر پر بھی سخت جان لیوا حملے کیے گیے۔ اس حملے میں نہ صرف آئی جی پولیس اور دیگر سینکڑوں پولیس اہلکار مارے گیے بلکہ کافی تعداد میں غنیمت بھی ہاتھ آیا۔ اکتوبر کا مہینہ غاصبین اور ان کے کاسہ لیسوں کے لیے کوئی مثبت پیغام نہیں لایا، دار الحکومت کابل جہاں لوگ امن کے لیے پناہ لے کر آتے ہیں اکتوبر میں وہ بھی پُر امن نہیں رہا۔ اس تسلسل میں ہفتہ کے دن دشمن پر سخت حملے ہوئے، عسکری کالج بھی حملوں کی زد میں جس میں 15 فوجی ہلاک ہوئے۔ اکتوبر میں افغانستان کے مشرق میں بھی جہادی سرگرمیاں عروج پر رہیں جس کی وجہ سے دشمن کے لیے زمین تنگ ہو گئی۔ 22 اکتوبر کو ایک فدائی مجاہد نے لغمان میں 13 امریکیوں کو مار دیے جبکہ کچھ کو زخمی بھی کر دیے جوابی فائرنگ میں خود بھی شہید ہو گیے۔ 29 اکتوبر کو ایک بار پھر جلال آباد ائیرپورٹ پر مجاہدین نے حملہ کیا جس سے دشمن کو کافی زیادہ نقصان پہنچا، اس سے ایک دن قبل امریکہ کا ایک طیارہ جو 43 افراد کو لے کر جا رہا تھا مجاہدین نے مار گرایا۔

غاصبین کی جانب سے کٹھ پتلی انتظامیہ پر دوستانہ حملے:

یکم اکتوبر بروز اتوار امریکی افواج نے صوبہ ہلمند کے ضلع گرشک میں 20 کٹھ پتلیوں کو مار کر ہلاک کیے لیکن میوند چھاونی کے چیف نے نہایت ڈھیٹ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے امریکیوں کے اس قدام کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا کہ یہ حملہ امریکیوں نے نہیں بلکہ افغان افواج نے کیا دوسری جانب اسی صوبہ کے گورنر نے دعوی کیا کہ کابل ائیرپورٹ پر بھیس بدلے مجاہدین اکھٹے ہو گیے تھے جنہوں نے 20 فوجیوں کو ہلاک کیا۔

کٹھ پتلی انتظامیہ کی بے بسی:

اب کابل انتظامیہ بے بسی کے آخری حدود میں ہے، گذشتہ ماہ جب امریکی وزیر دفاع کا طیارہ کابل ائیرپورٹ پر اتر رہا تھا تو مجاہدین نے ان پر حملہ کیا جس میں دشمن کو جانی نقصان کے علاوہ مالی نقصان بھی پہنچا۔ 3 اکتوبر بروز منگل کو کابل انتظامیہ نے تقریبا ایک دن پہلے مجاہدین کے حملوں کی وجہ سے بیرونی افواج کی رخصتی کا اعلان کیا تھا، ایک طرف یہ صورت حال کابل انتظامیہ کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہے دوسری جانب بیرونی افواج نے بھی اس کا اعتراف کیا کہ مجاہدین کے حالیہ حملے کابل انتظامیہ کو کمزور کرنے کے باعث بنے۔

عزتوں اور عصمتوں کے ساتھ غاصبین اور نام نہاد جمہوریت کا کھیل:

جمہوریت اور جارحیت کی برکت سے کئی مرتبہ کابل انتظامیہ کے اعلی مقامات کی ناموس خاک میں مل گئی، اس طرح 13 اکتوبر بروز جمعہ کو ایک بین الاقوامی این جی او IFPRI نے رپورٹ جاری کی کہ جنوبی ایشیا میں افغانستان سب سے زیادہ بھوکا ملک ہے۔ اس کے ساتھ 23 اکتوبر بروز پیر امریکی وزیر خارجہ باگرام جاتے ہوئے حملوں کی ڈر سے اپنا ارادہ ترک کیا اور افغان حکام کو وہیں بلا لیا جو ان کے لیے ذلالت خجالت کا ذریعہ بنا جو کابل انتظامیہ کی غلامی پر مہر تصدیق ہے۔ اس طرز عمل کا مغربی میڈیا نے بھی سخت مذمت کیا اور کہا کہ افغان حکومت کا یہ طرز عمل سیاسی اصولوں کی صریح خلاف ورزی ہے۔

کابل انتظامیہ سے ان کے اپنے ہی حمایتیوں کا گلہ:

آزادی کے دعویدار صحافی اور صحافی تنظیموں اور مختلف ٹی وی چینلز نے مجاہدین کے مطالبے کے باوجود کابل انتظامیہ کی طرفداری کر رہے تھے اور مسلسل انہی کی خبریں نشر کرتے تھے کھلم کھلا جانب داری کا مظاہرہ کر رہے تھے، کئی سال بالآخر 10 اکتوبر حکومت کے خلاف آواز بلند کیا، ان کا کہنا تھا کہ اعلی سرکاری ادارے ہمارے رپورٹرز کی توہین کر رہے ہیں، ان کی تضحیک کر کے قومی امن کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ مختلف صوبوں میں ان کے لیے رکاوٹیں پیدا کر رہے ہیں۔ ان کہنا تھا کہ کابل انتظامیہ قوانین بنا کر خود ان پر عمل در آمد نہیں کرتی اور انہیں پاؤں تلے روند ڈالتے ہیں۔

محرم الحرام میں ہونے والی کارروائیوں کا جدول

نمبر شمار	صوبہ	کارروائیوں کی تعداد	فدائی حملے	دشمن کے مالی اور جانی نقصانات					عام شہریوں اور مجاہدین کی جانی نقصانات		
				صلیبیوں کی اموات	صلیبیوں کے زخمی	ایجنٹوں کی ہلاکتیں	ایجنٹوں کے زخمی	فوجی گاڑیوں اور ٹینکوں کی تباہی	مجاہدین کے شہداء	مجاہدین کے زخمی	گاڑیوں کی تباہی
1-	قندھار	65	2			239	51	45	6	14	2
2-	ہلمند	157				283	89	39	13	16	
3-	زابل	14				49	12	1	4	7	
4-	روزگان	14				38	3	7	2	5	
5-	فراہ	26				82	42	4	0	0	
6-	غور	4				8	16	4	0	1	
7-	ہرات	25				56	25	7	0	0	
8-	نیمروز	7				10	0	6	1	0	
9-	بادغیس	15				6	16		1	3	
10-	فاریاب	25				13	20	27	4	0	
11-	کونڑ	27				31	14	4	0	0	
12-	ننگرہار	34		4	6	58	43	8	0	0	
13-	لغمان	20				29	34	7	1	0	
14-	نورستان	3				2	3	1	0	0	
15-	کابل	19	1	6	10	20	29	23	1	0	1
16-	میدان وردگ	23				37	16	6	0	2	
17-	غزنی	46	1			134	121	20	6	8	1
18-	خوست	17				28	13	7	0	0	
19-	لوگر	31		1	1	78	37	9	1	1	
20-	کاپیسا	6				7	7	2	0	0	
21-	پروان	13		35		9	8	8	0	0	
22-	پکتیکا	11				23	22		2	2	
23-	پکتیا	14	2			304	192	3	11	1	2
24-	قندوز	14				36	26	3	0	1	
25-	بغلان	8				10	8	7	0	0	
26-	تخار	10				23	13	1	0	0	
27-	سمنگان	3				3	4		0	0	
28-	بدخشان	1				1	0	1	0	0	
29-	بامیان	2				9	6	1	0	0	
30-	بلخ	9				20	11	9	1	1	
31-	جوزجان	2				11	0		0	0	
32-	دای کنڈی										
33-	سرپل	3				0	0		1	0	
34-	پنجشیر	1				2	4	2	0	0	
مجموعہ		669	6	46	17	1659	885	262	55	62	6

SHARIAT

Monthly Islamic Magazine

6th Year November 2017

صوبہ پروان کے ضلع "سیاگرد" میں امارت اسلامیہ کے زیر
کنٹرول علاقوں میں اسکول کے طلباء امتحان دیتے ہوئے